مکاتیب

سر محمد اقبالؒ

بنام

سید سلیمان ندویؒ

سید شفقت رضوی

مکاتیب سر محمد اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

مرتبہ

سید شفقت رضوی

ادارۂ تحقیقاتِ افکار و تحریکات ملّی

کراچی

جملہ حقوق محفوظ

کتاب: مکاتیب سر محمد اقبال
بنام مولانا سید سلیمان ندوی
مرتب: سید شفقت رضوی
ناشر: شاہد حسین خاں، ایم ۔ اے (اسلامیات)
ادارہ تحقیقات افکار و تحریکات ملّی
۱/۹ علی گڑھ کالونی ۔ کراچی
طابع: الحزن پرنٹرز (مکتبۂ رشیدیہ)
پاکستان چوک، کراچی
اشاعت: ۱۹۹۲ء

ملنے کا پتا

مکتبہ شاہد
۱/۹ علی گڑھ کالونی، کراچی ۔ ۷۵۸۰۰

مکتبہ رشیدیہ
قاری منزل، مرار اسٹریٹ، پاکستان چوک،
کراچی ۷۴۲۰۰

فہرست

مقدمہ:

مولانا سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال — سید شفقت رضوی — ۵

متن:

مکاتیب سر محمد اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی — علامہ اقبال — ۲۷

تعلیقات: رجال مکاتیب اقبال — سید شفقت رضوی — ۱۱۳

مولانا شبلی نعمانی ۱۱۵
مولانا ابوالکلام آزاد ۱۱۶
ٹیک چند بہار ۱۱۷
مولوی اصغر علی روحی ۱۱۸
مولانا ذوالفقار علی دیوبندی ۱۱۸
مولانا محمود حسن دیوبندی ۱۱۹
مولانا گرامی جالندھری ۱۲۱
مولوی فضل الدین احمد مرزا ۱۲۳
مولوی عبدالماجد دریابادی ۱۲۳
سید نجیب اشرف ندوی ۱۲۴
بنارسی (سید نذیر نیازی) ۱۲۵
مولانا شاہ اسماعیل شہید ۱۲۶
حافظ امان اللہ بنارسی ۱۲۷
مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی ۱۲۷
قاضی محب اللہ بہاری ۱۲۸
مولانا نور الحق علوی ۱۲۹
علامہ مشرقی (عنایت اللہ) ۱۳۰
چودھری غلام رسول مہر ۱۳۰
ذوالفقار علی خاں ۱۳۲
شیخ عبدالقادر ۱۳۴
سر محمد شفیع ۱۳۵
شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۳۵
ملا محمود جون پوری ۱۳۶
مولوی نور الاسلام ۱۳۶
سر راس مسعود ۱۳۷
مولوی مظہر الدین شیرکوٹی ۱۳۹
شاہ محمد عاشق پھلتی ۱۳۹
نواب صدر یار جنگ ۱۴۰
مرزا غلام احمد قادیانی ۱۴۱
نواب حمید اللہ خان بھوپال ۱۴۲

مقدمہ

مولانا سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام علامہ اقبال کے مکاتیب قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کے باوجود کہ ان بزرگوں کے حالات سے بیشتر حضرات کو آگاہی ہوگی ان کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی بروز جمعہ ۲۲۔ نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ (ضلع پٹنہ، صوبہ بہار) کے ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو دینی علوم کے ساتھ دینداری اور تقوی میں مدتوں سے ممتاز تھا۔ ان کے والد مولوی سید ابوالحسن طبیب حاذق تھے اور متانت و سنجیدگی، تہذیب و شائستگی اور نفاست میں اپنی مثال آپ سمجھے جاتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ابتدائی تعلیم خلیفہ انور علی سے حاصل کی۔ بڑے بھائی مولوی ابوحبیب سے عربی میں میزان اور منشعب پڑھی۔ انھوں نے شاہ اسماعیل شہید کی تقویۃ الایمان کے مطالب اس طرح ذہن نشین کروا دیے تھے کہ ساری عمر یاد رہے۔ ایک سال خانقاہ مجیبی میں رہ کر مولانا محی الدین سے عربی کی کتابیں پڑھیں۔ شاہ سلیمان پھلواروی سے منطق کے چند سبق پڑھے۔ ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوہ لکھنو میں داخل ہوئے جہاں سات سال رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ ۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی دارالعلوم کے معتمد تعلیم ہو کر آئے تو انھوں نے مولانا سلیمان ندوی کے جوہر قابل کو دیکھتے ہوئے اپنے دامن تربیت میں لے لیا۔ ان کے زیر سایہ مولانا نے عربی ادبیات جدید کا اتنا وسیع مطالعہ کیا کہ خود بھی عربی کے ادیب بن گئے۔ ان سے علامہ شبلی نے جرجی زیدان کی کتاب اللغتہ العربیہ کی تلخیص کروائی جو جنوری ۱۹۰۵ء کے "الندوہ" میں شائع ہوئی۔ مولانا نے علم حدیث کا بھی غائر مطالعہ کیا تھا۔ اسی کے ضمن میں انھیں علم رجال اور تاریخ سے دلچسپی بڑھی۔ علم الکلام، منطق، فلسفہ اور عربی ادب پر عبور حاصل کیا۔ وہ ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم ندوہ میں فارسی وعربی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں رسالہ "الندوہ" کے سب ایڈیٹر بھی بنا دیے گئے

تھے، جس سے وہ فروری ۱۹۱۰ء تک وابستہ رہے۔ مئی ۱۹۱۳ء میں مولانا آزاد کے اخبار الہلال، کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہوئے اور تقریباً وسط دسمبر تک یہ تعلق رہا اس زمانے میں مولانا آزاد کے خاص اسلوب کو اپنانے کی کامیاب کوشش کی۔ اس کے بعد وہ لکھنو، آگرہ ہوتے ہوئے پونہ تشریف لے گئے اور دکن کالج میں اسسٹنٹ پرشین لیکچرار ہو گئے۔ شبلی کے انتقال (۱۸۔ نومبر ۱۹۱۴ء) کے بعد اعظم گڑھ کو اپنے علمی کاموں کا مرکز بنایا اور دارالمصنفین قائم کیا۔ وہیں سے جولائی ۱۹۱۶ء میں رسالہ معارف جاری کیا اور تقریباً وسط ۱۹۴۶ء تک اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جون ۱۹۴۶ء میں وہ قاضی القضات اور امیر جامعہ ہو کر بھوپال چلے گئے اور معارف کو مولانا معین الدین ندوی کے سپرد کر دیا۔ معارف کا معیار ہمیشہ قابل رشک رہا۔ مولانا کے بعد ان کے جانشینوں نے بھی اس کا اعلا معیار برقرار رکھنے کی کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

مولانا ۱۹۱۴ء میں دکن کالج پونہ سے وابستہ ہوئے تھے۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں کالج کی ملازمت ترک کر کے سیرت النبی کی تکمیل کے کام میں منہمک ہو گئے۔ باقی عمر دارالمصنفین کی ترقی اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دی۔ علامہ شبلی کو جو وظیفہ علمی ریاست حیدر آباد سے ملتا تھا ان کے انتقال کے بعد دارالمصنفین کے لیے منتقل کر دیا گیا۔ یوں تو درجنوں عالموں نے ریاست سے مالی اعانت کی درخواست کی اور اعانت حاصل کی، مولانا سید سلیمان ندوی کی واحد شخصیت تھی جنھوں نے کبھی امداد کی خواہش نہیں کی۔ نظام دکن نے سیرت النبی کی پہلی جلد کے مطالعے کے بعد ان کے کام کی اہمیت اور نوعیت کو سراہتے ہوئے اس کی بہ احسن تکمیل کی خاطر دو سو روپیہ ماہانہ امداد جاری کرنے کا یہ حکم دیا:

> "عرضی سید سلیمان ندوی منسلک ہے بعد دیکھنے واپس ہو چوں کہ سیرت النبی صلعم کا کام انجام پانا تمام مسلمانان ہند کے لیے خیر و برکت سے خالی نہیں ہے۔ لہذا ہماری ریاست کی طرف سے دو سال کے لیے ماہ مبارک ربیع الاول شریف سنہ جاریہ سے دو سو

> روپیہ کلدار ماہوار، اس غرض سے دیے جائیں کہ یہ متبرک کام بہت جلد اختتام کو پہونچے اور ہر ایک جلد کے پچیس نسخے ہمارے مدارس وغیرہ کے لیے خرید کیے جائیں اور میرا حکم حاصل کرکے ان کی تقسیم عمل میں آئے۔۔ (شرح دستخط) نواب میر عثمان علی خاں۔ ۷۔ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ یکشنبہ

مولانا شبلی کے منتقل شدہ وظیفہ (تین سو روپے) کے علاوہ مزید دو سو روپے دارالمصنفین کو ریاست حیدر آباد سے ملتے رہے۔ اس کے باوجود نظام سابع مولانا ندوی کی ذاتی خدمت کرنے کے خواہش مند تھے تاکہ اس عظیم منصوبے کی تکمیل وہ دل جمعی سے کر سکیں چناں چہ ۲۹۔ شعبان ۱۳۵۶ھ کو یہ فرمان جاری کیا:

> " میں یوم سہ شنبہ گذشتہ ۲۷۔ شعبان مولوی سید سلیمان صاحب ندوی سے ملا تھا۔ جو کسی کام پر مدراس گئے تھے اور وہاں سے اس طرف چلے آئے تھے۔ یہ بہت اہم کام انجام دے رہے ہیں جو کہ تکمیل سیرت نبوی کا ہے جس کی ابتدا مولوی شبلی نے کی تھی اور جو کہ مذہب اسلام کا ایک مہتم بالشان کارنامہ ہے۔ چونکہ ان کو اس کام یا خدمت کے لیے ریاست سے ۲۰۰ روپیہ ماہانہ امداد ملا کرتی ہے۔ وہ ما یحتاج زمانہ کے لحاظ سے (جبکہ ہر شی کی قیمت گراں ہو گئی ہے) اس وقت ان کو کافی نہیں ہوتی ہے، جو کہ رات دن اس کام کی انجام دہی میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے فی زمانہ ان سے بہتر اس قسم کا مذہبی کام انجام دینے والا بمشکل مل سکے گا جو کہ طبقہ علما و اہل قلم میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا میرے خیال میں ان کے موجودہ اذوقہ میں اگر یک صد کلدار کا اضافہ یکم آذر سنہ جاریہ سے ہو جائے تو ان کی حوصلہ افزائی کا موجب ہو گا اور دوسری طرف مولوی صاحب کو سہولت زندگی میں مدد ملے گی۔ مجھے توقع ہے کہ میری تجویز سے کونسل کو اتفاق ہو گا

کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش"۔ ۔ دستخط میر عثمان علی خاں

کونسل نے اس رائے سے اتفاق کیا اور مولانا کے لیے حسب خواہش نظام مزید سو روپیہ ماہانہ کے اجرا کی منظور دے دی۔

مولانا ندوی کی تحریری کاوشوں کی ابتدا طالب علمی کے زمانے میں ہو گئی تھی۔ ان کا پہلا مضمون "وقت" رسالہ مخزن لاہور (۱۹۰۳ء) میں چھپا تھا اسی زمانے میں دیسنہ کی انجمن اصلاح کے سالانہ جلسے میں "علم اور اسلام" پر ایک بسیط مضمون پڑھا تھا۔ لکھنو کے مشہور اخبار "اودھ پنچ" نے ان سے عربی مضامین کے اردو ترجمے کروانا شروع کر دیے تھے۔ ان کے علمی ادبی کارناموں میں تدوین لغات جدیدہ، ارض القرآن، حیات امام مالک، سیرت عائشہ، خطبات مدراس، عربوں کی جہاز رانی، خیام، سفر افغانستان، حیات شبلی، نقوش سلیمانی شامل ہیں۔ لیکن ان کا سب سے اہم کارنامہ سیرت النبی کی ترتیب، تکمیل اور اشاعت ہے۔ سیرت النبی کی تالیف کا منصوبہ اور اس کے بارے میں مستند معلومات کی فراہمی استاد کی زندگی کا حاصل تھا تو اس کا تسلسل اور ایک جامع سیرت نبوی کی تالیف و تدوین شاگرد کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا ندوی نے مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے سیاست میں بھی حصہ لیا۔ وہ تحریک خلافت کے سربرآوردہ رہنماؤں میں شامل تھے۔ اس وفد میں بھی تھے جو مولانا محمد علی کی سرکردگی میں خلافت کے سلسلے میں انصاف طلبی اور اظہار حقائق کے لیے برطانیہ اور دیگر ممالک یورپ گیا تھا۔ انھوں نے ساردا ایکٹ کے خلاف احتجاج کیا اور واردھا کی تعلیمی اسکیم اور لسانی منصوبے کے خلاف بھی آواز اٹھائی تھی۔

مولانا ندوی نے برصغیر پاک وہند ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے متبحر عالم، بلند پایہ مفسر، جلیل القدر متکلم، دقیقہ سنج فقیہہ، بے مثل ادیب، وسیع النظر مورخ، سیاسی مفکر اور زبان آور خطیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ عام مسلمان ہی نہیں بلکہ جید علما بھی ان کا ادب ولحاظ کرتے اور ان کے علم سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل کرنے کے جویا رہتے تھے۔ انھیں میں علامہ اقبال بھی تھے

جو اپنے وسیع مطالعے اور گہرے غور و خوض کے باوجود ان سے رہنمائی اور رفع اشکال کے خواستگار رہتے تھے۔

مولانا جون ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے آئے تھے۔ یہیں ۲۲۔ نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ۱۴۔ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کو رحلت فرمائی۔

علامہ اقبال ۱۸۷۶ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ نور محمد اور والدہ امام بی بی تھیں۔ آغاز تعلیم کے وقت بھی سید میر حسن جیسے عالم کے آگے زانوے تلمذ تہ کی۔ گورنمنٹ کالج، لاہور سے ۱۸۹۷ء میں بی۔ اے کیا۔ ۱۸۹۹ء میں فلسفے میں ایم۔ اے کیا۔ پہلے اورینٹل کالج، لاہور میں لکچرار مقرر ہوئے بعد میں گورنمنٹ کالج، لاہور میں فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ٹرینٹی کالج کیمبرج میں تعلیم جاری رکھی۔ میونخ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ لاہور میں بیرسٹری کرتے رہے۔ اردو اور فارسی میں طرز نو کی شاعری کی ابتدا کی جو ترقی پا کر فلسفیانہ اور حکیمانہ شاعری بن گئی۔ اردو میں بانگ درا (۱۹۲۴ء)، بال جبریل (۱۹۳۵ء)، ضرب کلیم (۱۹۳۶ء)، فارسی میں اسرار خودی (۱۹۱۵ء)، رموز بیخودی (۱۹۱۸ء)، پیام مشرق (۱۹۲۳ء)، زبور عجم (۱۹۲۷ء)، جاوید نامہ (۱۹۳۲ء) اور مسافر ان کی زندہ جاوید یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ خطبات، تقاریر، مقالات اور مضامین کا بہت بڑا خزانہ چھوڑا ہے۔ وہ مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی ترقی کے خواہاں تھے۔ ان کی شاعری اور فلسفے سے فکری رہنمائی اور عمل کو تحریک ملتی ہے۔ مذہب کی بنیاد پر قومیت کے نظریے کے وہی بانی ہیں۔ اس لیے ساری دنیا کے مسلمانوں کو قومی وحدت میں شمار کرتے ہیں۔ کچھ عرصے عملی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ مسلم لیگ کی صدارت کی۔ ان کا خطبہ صدارت (۱۹۳۰ء) اجلاس الہ آباد خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن بھی رہے۔

ان کی شخصیت کا یہ پہلو نہایت اہم ہے کہ ان میں زندگی بھر طالب علمانہ شان رہی۔ ان کا مطالعہ وسیع تھا، اس کے باوجود جن امور کے بارے میں شک وشبہ ہوتا اسے دور کرنے کے لیے عمر اور مرتبہ کا لحاظ کیے بغیر ہم عصر علما سے

رجوع ہوتے تھے ۔ اسی وجہ سے وہ مولانا سید سلیمان ندوی سے قریب تر ہوتے گئے اگرچہ ان دونوں بزرگوں کے درمیان صحبت برائے نام رہی لیکن ان کے درمیان اخلاق اور احترام کا رشتہ قائم رہا۔ علامہ کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔

علامہ کی رحلت کا مولانا سلیمان ندوی کو بے حد افسوس ہوا ان کے جذبات کی عکاسی ان کے مندرجہ ذیل تعزیتی مضمون سے ہوتی ہے ۔ جو "ماتم اقبال" کے عنوان سے معارف میں شائع ہوا تھا۔ علامہ لکھتے ہیں:

"وقعت الواقعہ ۔ آخر موت اور حیات کی چند ہفتوں کی کشمکش کے بعد ڈاکٹر اقبال نے دنیائے فانی کو الوداع کہا، صفر کی انیسویں اور اپریل کی اکیسویں کی صبح کو عمر کی اکسٹھ بہاریں دیکھ کر اور شاعری کی دنیا میں چالیس برس چہچہا کر یہ بلبل ہزار داستاں اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ وہ ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔ آج دنیا ان ساری عزتوں سے محروم ہوگئی ۔ ایسا عارف فلسفی، عاشق رسول شاعر، فلسفہ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خوان صدیوں کے بعد پیدا ہوا تھا، اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو، اس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا اس کی جان حزین کی ہر آواز زبور عجم، اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اس کے شعر کا ہر پر پرواز بال جبریل تھا۔ اس کی فانی عمر گو ختم ہوگئی لیکن اس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاء اللہ باقی رہے گا۔ امید ہے کہ ملت کا یہ غم خوار شاعر اب عرش الٰہی کے سایے میں ہوگا اور قبول و مغفرت کے پھول اس پر برسائے جارہے ہوں گے ۔ خداوندا! اس کے دل شکستہ کی جو ملت کے غم سے رنجور تھا، غمخواری فرما، اور اپنی ربانی نوازشوں سے اس کے قلب حزیں کو مسرور کر۔

مرحوم کی زندگی کا ہر لمحہ ملت کی زندگی کے لیے ایک نیا پیام لایا تھا۔ وہ توحید خالص کا پرستار، دین کامل کا علم بردار اور تجدید ملت کا طلب گار تھا۔ اس کے رونگٹے رونگٹے میں رسول انام علیہ السلام کا عشق پیوست تھا اور اس کی آنکھیں جسم اسلام کے ہر ناسور پر اشک بار رہتی تھیں ۔ اس نے مستقبل اسلام کا ایک خواب دیکھا تھا، اسی خواب کی تعبیر میں اس کی ساری عمر ختم ہوگئی۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب تک آسکتا نہیں

کہنے کو تو ہم میں ملت کے غمخواروں کی کمی نہیں اور نہ امت کے دوستداروں کی قلت، مگر واقعہ یہ ہے کہ نئی تعلیم نے اپنی ساٹھ ستر برس کے طویل عرصے میں دو ہی سچے مسلمان غمخوار پیدا کیے، ایک محمد علی مرحوم اور دوسرا اقبال مرحوم۔ دونوں مرحوموں پر خدا کی بڑی رحمت ہو۔ ان کے دلوں میں اسلام کا حقیقی سوز تھا اور رسول رحمت صلعم کے ساتھ سچا عشق۔ نئے زمانے کی جھوٹی آب وتاب اور نئے تمدن کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہ تھیں۔ آفتاب اسلام کی ضیا باری کے مقابلے میں ان کے سامنے جدید تہذیب و تمدن اور زمانہ حال کی تجدیدات کی نئی روشنی مہ نخشب کے مصنوعی نور سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ خدا ان کی قبروں کو اپنے نور سے بھر دے۔

اقبال کی قومی شاعری بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ شروع ہوئی۔ بیسویں صدی کے اس پیغام رساں نے اپنے اڑتیس برس کے شاعرانہ پیغاموں سے ملت کے نوجوانوں میں نئی امنگ بھر دی اور نئے سفر کے قطع منزل کے لیے ان میں نئے سرے سے ہمت پیدا کر دی۔ اقبال کا یہ دعوی حرف حرف سچا تھا:

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اقبال کی تصنیفات زمانے میں یاد رہیں گی۔ وہ اسلام کا غیر فانی لٹریچر بن کر انشاء اللہ رہے گا۔ ان کی شرحیں لکھی جائیں گی، نظریے ان سے بنیں گے، ان کا فلسفہ تیار ہو گا، اس کی دلیلیں ڈھونڈھی جائیں گی۔ قرآن پاک کی آیتوں، احادیث شریفہ کے جملوں، مولانا رومی اور حکیم سنائی کے تاثرات سے ان کا مقابلہ ہو گا اور اس طرح اقبال کا پیام اب دنیا میں انشاء اللہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اقبال زندہ جاوید۔

اقبال صرف شاعر نہ تھا وہ حکیم تھا، وہ حکیم نہیں جو ارسطو کی گاڑی کے قلی ہوں یا یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چین بلکہ وہ حکیم جو اسرار قدرت کا محرم اور رموز فطرت کا آشنا تھا۔ وہ نئے فلسفے کے ہر راز سے آشنا ہو کر اسلام کے راز کو

اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا یعنی بادہ انگور کو نچوڑ کر کوثر و تسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا۔

وفد کابل جن تین ممبروں سے بنا تھا افسوس ہے کہ اس میں یکے بعد دیگرے دو چل دیے۔ سر راس مسعود اور اقبال اب صرف ایک رہ گیا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ کتنے دن کے لیے ہے۔ آہ

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند

مولانا شبلی مرحوم نے اقبال کو اسی وقت پہچان لیا تھا جب ہنوز ان کی شاعری کے مرغ شہرت نے پروبال نہیں پیدا کیے تھے چنانچہ انھوں نے پیشینگوئی کی تھی کہ حالی وآزاد کی جو کرسیاں خالی ہوں گی ان میں سے ایک اقبال کی نشست سے پر ہو جائے گی۔ افسوس کہ آج اڑتیس برس کے بعد وہ کرسی خالی ہو گئی اور اب اس کے بھرنے کی کوئی صورت نہیں۔

اقبال ہندوستان کا فخر اقبال، اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال، فضل وکمال کا پیکر اقبال، حکمت ومعرفت کا دانا اقبال، کاروان ملت کا رہنما اقبال! رخصت، رخصت، الوداع، الوداع، سلام اللہ علیک ورحمتہ، الی یوم التلاق!۔

(معارف، مئی ۱۹۳۸ء)

بیسویں صدی کے نصف اول میں برصغیر کے مسلمانوں کو جن اکابرین کی رہنمائی حاصل ہوئی ان میں مولانا سید سلیمان ندوی اور علامہ شیخ محمد اقبال جیسی نابغہ روزگار شخصیات بھی شامل تھیں۔ مولانا ندوی علوم مشرقی پر انتہائی گہری نظر رکھنے کے علاوہ مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے امام تھے تو علامہ فلسفہ وحکمت اور شعروادب سے شغف رکھتے تھے۔ ان میں مشترک اقدار اسلام سے بے پناہ محبت، اس کی نشاۃ ثانیہ کی امنگ اور ذات رسول سے والہانہ عقیدت تھیں۔ برصغیر کے مسلمان ذہنی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی انحطاط کا شکار تھے: اسلام سے روگردانی نے ان کی روح کی بالیدگی کو ختم کر دیا تھا۔ معاملات دنیاوی میں وہ حوصلہ وہمت ہار چکے تھے۔ غلامی نے ان کی فطری صلاحیتوں کو بے جان بنا دیا تھا۔

مغربی اور غیر اسلامی افکار، رجحانات اور عقائد کی یلغار میں وہ اپنی منزل کھو چکے تھے اس دور انحطاط میں اصلاح، تعلیم اور جہاد کی کئی تحریکیں شروع ہوئیں، لیکن ان کے اثرات وقتی رہے۔ ضرورت ایک ہمہ گیر ذہنی وفکری انقلاب کی تھی جو ایک طرف مغرب کی برائیوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کا حوصلہ دے تو دوسری طرف مغرب کی مادی ترقی اور کارآمد نظریات سے مستفیض ہونے کی صلاحیت بھی پیدا کر دے۔ علامہ اقبال کی یہ خوش نصیبی تھی کہ ارتقائے فکر کی اولیں منزلوں میں انھوں نے مغربی علم وحکمت اور تہذیب وتمدن کو بغور دیکھا اور جانچا۔ ان کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کیا اور ان کا مقابلہ اصول واقدار اسلامی سے کر کے ایسی راہ متعین کرنے کی سعی کی جو عالم اسلام کے لیے مفید ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان مغرب کی گمراہ کن معاشرتی روایات کو نظر انداز کر دیں البتہ جدید سائنس نے فطرت کے جن رازوں کی نقاب کشائی کی ہے ان سے استفادہ ضرور کریں۔ یہ جدید سائنس مسلمانوں کی متاع گمشدہ ہے۔ کبھی ان کی مبادیات سے اہل اسلام نے دنیا کو روشناس کروایا تھا اور آج وہی ان سے بے بہرہ ہیں۔ ذہنوں پر پہرے بٹھانے والوں نے اسلام کو خانقاہوں اور مسجدوں تک محدود کر دیا تھا۔ عام زندگی دینی اور دنیاوی شعبوں میں اس طرح بٹ گئی تھی کہ ان کے درمیاں مغائرت ہی نہیں تضاد کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس ہیجانی دور نے علامہ کو روحانی اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا کہ

> "میں سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خداوند کریم سے میرا دل مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے۔۔
>
> (خط مرقومہ ۲۳۔ اپریل ۱۹۲۶ء)

انھیں یہ بھی پریشانی تھی کہ

"اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی مذہبی شخصیت نہیں جو

> طبائع کے اس انقلاب کو درست راستے پر لگانے۔۔
>
> (خط مرقومہ ۱۸۔ مارچ ۱۹۳۶ء)

دیگر اسلامی ممالک کی نسبت برصغیر کے مسلمانوں میں حرارت ایمانی اور عزم پیکار کی رمق باقی تھی۔ وہ توقع کرتے تھے کہ رہنما قوت یہیں سے ابھرے گی۔ اس کے لیے علامہ نے خود کو بھی تیار کیا اور مولانا ندوی کا تعاون بھی حاصل کیا۔ ان کا خیال تھا کہ۔

> اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کی ایسی مدد نہیں کر سکتے ہاں دماغی اعتبار سے ان کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔۔
>
> (خط مرقومہ ۱۸۔ مارچ ۱۹۳۶ء)

علامہ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے قدیم علوم کا احیا ہو اور زمانہ حال کے تقاضوں کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے۔ مگر غلامانہ انداز میں نہیں، بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ پہلے بھی مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہوا تو انھوں نے اسی فلسفے کے ہتھیار سے اس کا مقابلہ کیا۔ اسی طرح استدلال و مباحث کے ذریعے نئی راہیں نکالی جا سکتی ہیں۔ قرآن نے بھی بار بار تفکر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ یہی اجتہاد ہے۔ اسی کے ذریعے اسلام کو زمانہ حال کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ

> یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا۔۔ (خط مرقومہ ۱۴۔ مئی ۱۹۲۲ء)

تو ان کی مراد اندھی تقلید سے بچنے اور راہ اجتہاد اختیار کرنے کی ہوتی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام سے بے خبری اور لاعلمی بلکہ جہالت کی گھٹاؤں کو دور کر کے قدیم و جدید، مشرقی و مغربی افکار سے استفادہ کر کے ایک لائحہ عمل مرتب کریں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے تلاش و جستجو، تحقیق و تفکر کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا۔ وہ قدیم علوم کے بحر بیکراں سے سارے موتی جمع کر کے اپنے اشعار، خطبات اور

مقالات کو آبدار بنانا چاہتے تھے ۔ یہ بہت بڑا مشن تھا ۔ اس کے لیے انھیں اپنی معلومات میں کمی کی خلش تڑپا دیتی اور وہ صاحب علم اور صاحب نظر حضرات کے تعاون کے خواستگار ہوتے ۔ یہ بھی علامہ کی عالی ظرفی تھی کہ انھوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کیا اور ہر اس ذریعے کو روبکار لانے میں دریغ نہیں کیا جس سے خلش کو دور کیا جا سکتا ۔ برصغیر کے علما میں وہ علامہ شبلی کے بعد مولانا سلیمان ندوی کے تبحر علمی کے قائل تھے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک عظیم استاد کے عظیم شاگرد ہونے کا حق انھوں نے "سیرت النبی" کی تکمیل کے ذریعے ہی ادا نہیں کیا بلکہ تمام قدیم علوم ، اسلامی شرح و فقہ ، اور تاریخ میں وہ عبور حاصل کیا کہ دنیائے اسلام میں ان کا ثانی نہ تھا ۔ مولانا ندوی اور علامہ اقبال کے درمیان شخصی رابطہ قران السعدین تھا ۔ ان کے درمیان بلحاظ علم و دانش ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا ممکن نہیں ہے ۔ بعض امور میں مولانا ندوی کی برتری کو تسلیم کرنا پڑے گا تو بعض میں علامہ کی ۔ باوجود اس کے کہ علامہ عمر میں مولانا سے بڑے تھے ، انھیں متذکرہ شعبوں میں سند کا درجہ دیتے تھے ۔ اپنے شک و شبہ کو دور کرنے کے لیے مولانا کو معلم و رہنما سمجھتے تھے اور جب وہ اس طرح کے جملے لکھتے تو ان میں تصنع دکھائی نہیں دیتا بلکہ خلوص نیت کی خوشبو آتی ہے کہ

> "مولانا شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذالکل ہیں ۔
> اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہو گا ۔۔"

(خط مرقومہ ۲۸ ۔ اپریل ۱۹۱۸)

> "آپ امت محمدیہ کے خاص افراد سے ہیں اور مامور من اللہ ۔ قوم کے خاص افراد کو ہی امر الٰہی ودیعت کیا گیا ہے ۔۔"

(خط مرقومہ ۲ ۔ دسمبر ۱۹۱۸ء)

> "میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے ، تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا ۔ فی الحال انشاء اللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا ۔۔" (خط مرقومہ ۲۴ ۔ اپریل ۱۹۳۶ء)

> "میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجیے ۔ آپ کو زحمت

تو ہوگی، لیکن مجھے فائدہ ہو گا۔۔ (خط مرقومہ ۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء)

"میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا۔ اگر آپ از راہ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں۔۔

(خط مرقومہ یکم فروری ۱۹۲۴ء)

"علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔۔

"جتنی آگاہی آپ نے دے دی ہے وہ اگر زمانے نے فرصت دی تو باقی عمر کے لیے کافی ہے۔۔

(خط مرقومہ ۲۲۔ اگست ۱۹۲۲ء)

ان تحریروں کا انداز بتا رہا ہے کہ یہ رسمی نہیں ہیں اور پھر جن امور اور مسائل کے بارے میں استفسارات کیے گئے ہیں ان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اپنے شکوک وشبہات کو رفع کرنے کے لیے مولانا ندوی سے بڑھ کر عالم ان کی نظر میں کوئی اور نہ تھا۔ جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے علامہ نے کسی ذریعے اور وسیلے سے مستفید ہونے سے گریز کیا اور نہ اس کے اظہار میں تامل ہوا۔ "مباحث مشرقیہ کے سمجھنے کے لیے انھوں نے مولوی نور الحق کی مدد حاصل کی تھی اور اپنے ۲۲۔ اگست ۱۹۲۲ء کے مکتوب میں اس کی اطلاع بھی مولانا کو دی تھی۔

مولانا سید سلیمان ندوی بھی اقبال کے مرتبہ شناس تھے۔ ایک طرح سے ان کے استاد کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود ان کی بلندی فکر، فلسفہ دانی، اسلام سے محبت، مسلمانوں کی خیر خواہی اور ذہنی انقلاب کی جستجو کی تعریف کرتے ہوئے نھیں اسی بلند مقام پر رکھ کر، جس کے وہ مستحق تھے ان کے سوالات کے جوابات یے۔ مولانا کو اقبال شناسی کا جوہر اپنے استاد علامہ شبلی سے وراثت میں ملا تھا۔ یوں تو کلام اقبال پر "معارف" میں شائع شدہ ان کے تبصروں میں کلمات تحسین کی کمی نہیں لیکن ان کے جذبات کی حقیقی ترجمانی علامہ کے تعزیتی مضمون کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے انھوں نے لکھا تھا:

"اقبال صرف شاعر نہ تھا، وہ حکیم تھا۔ وہ حکیم نہیں جو

> ارسطو کی گاڑی کے قلی ہوں یا یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چین، بلکہ وہ حکیم جو اسرار کلام الہیٰ کے محرم اور رموز شریعت کے آشنا تھے۔ وہ نئے فلسفے کے ہر راز سے آشنا ہو کر اسلام کے راز کو اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا۔ یعنی بادہ انگور نچوڑ کر کوثر و تسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا۔۔ (معارف، مئی ۱۹۳۸ء)

> "وہ ہندوستان کی آبرو، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔ آج دنیا ان ساری عزتوں سے محروم ہو گئی اور ایسا عارف فلسفی، عاشق رسول شاعر، فلسفہ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ہوا تھا اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو اور اس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا، اس کی جان حزیں کی ہر آواز زبور عجم اور اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اس کے شعر کا ہر پرواز بال جبریل تھا۔ اس کی فانی عمر گو ختم ہو گئی لیکن ان کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاء اللہ باقی رہے گا۔۔ (ایضاً)

مولانا ندوی نے ان کے خطوط کو اتنی اہمیت دی کہ محفوظ بھی رکھا اور ان کے جانشین شاہ معین الدین ندوی نے اپریل ۱۹۵۴ء تا مارچ ۱۹۵۵ء کے معارف میں بالاقساط شائع بھی کیا۔ ان بزرگوں کے درمیان اولین رابطہ کب اور کس طرح قائم ہوا تھا؟ اس بارے میں کوئی حوالہ موجود نہیں۔ معارف کے ایک شذرہ سے صرف اس قدر اطلاع ملتی ہے کہ

> "ڈاکٹر اقبال سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اور مراسلت کی باطنی ملاقات تو ۱۹۱۴ء سے قائم ہے۔۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۶ء کے درمیانی عرصے میں باہم کتنے خطوط کا تبادلہ ہوا۔ اس کا حال معلوم نہیں کیونکہ یہ محفوظ نہیں رہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پروفیسر رشید احمد صدیقی علامہ سے ملاقات کی غرض سے علی گڑھ سے لاہور گئے تھے۔ دوران گفتگو میں علامہ نے خواہش کی کہ وہ کسی عالم کی نشاندہی کریں جن سے دینی مسائل میں رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ پروفیسر صدیقی نے اس دور کے ایک عالم کا

نام لیا۔ جس پر علامہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ پروفیسر صاحب نے مولانا سید سلیمان ندوی کا نام تجویز کیا تو انھیں پسند آیا۔

معارف میں شائع شدہ پہلا خط یکم نومبر ۱۹۱۶ء کا تحریر کردہ ہے جس میں علامہ نے اورینٹل کالج میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی خالی جگہ کے حوالے سے دریافت کیا تھا کہ آیا مولانا بمشاہرہ ایک سو بیس روپے ماہوار اپنے لیے پسند فرما کر یہ عہدہ قبول کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ایک اجنبی اس طرح کسی ادارے کے لیے پیشکش نہیں کر سکتا اگر ادارہ چاہتا اور علامہ نے اس کی تحریک بھی کی تھی تو ادارے کی جانب سے ہی پیشکش کی جاتی۔ علامہ کا اس طرح خط لکھنا ظاہر کرتا ہے کہ مراسلت کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ مولانا نے یہ پیشکش قبول نہیں کی۔ اسی نوعیت کی تحریکیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کی طرف سے کی گئی تھیں۔ استنبول یونیورسٹی بھی ان کی پذیرائی کے لیے آمادہ تھی۔ نواب حبیب الرحمن خان شیروانی کے بعد ریاست حیدر آباد میں صدر الصدور کے منصب کی رونق بخشی کے لیے بھی ان سے خواہش کی گئی تھی۔ ہر دفعہ انھوں نے انکار کیا کیوں کہ وہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ البتہ ریاست بھوپال کی ملازمت بعض مصالح کی بنا پر قبول کر لی تھی۔

علامہ نے اپنے ایک خط میں اس پیشکش کو ذاتی خود غرضی اور پنجاب کی بھلائی پر محمول کیا ہے۔ ان کی نظر میں اس وقت اقصائے ہند میں مولانا سے زیادہ قابل اور دینی معاملات میں رہنمائی کرنے والی شخصیت کوئی اور نہ تھی۔ انھوں نے پیشکش کی وضاحت میں لکھا تھا کہ

> "کسی قدر خود غرضی کا شائبہ میرے خط میں تھا اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبہ متحدہ کے علما و فضلا سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں آنے سے بدستور جاری رہے۔ مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں مگر مسلمان امرا میں مذاق علمی

مفقود ہو چکا ہے میری کوشش بارآور نہ ہوئی۔۔

(خط مرقومہ ۱۲۔ نومبر ۱۹۱۶ء)

شائع شدہ خطوط کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ باہم ربط کا سلسلہ نومبر ۱۹۱۶ سے اگست ۱۹۳۶ء تک جاری رہا۔ لیکن ملاقات کے صرف تین مواقع آئے۔ پہلی ملاقات اپریل ۱۹۲۷ء میں ہوئی جب کہ انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر مولانا لاہور تشریف لے گئے اور دفتر "زمیندار" میں قیام کیا۔ بقول خود ان کے "ایک دہقانی ایک زمیندار کا مہمان بنا۔ ۱۵۔ اپریل کی صبح ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی معیت میں علامہ ملاقات کے لیے گئے جو ایک گھنٹہ جاری رہی۔

> "تمام وقت علم دین و فلسفہ اسلام کے موضوع پر گفتگو رہی جو زیادہ تر امام رازی کی مباحث مشرقیہ کے متعلق تھی۔ کیوں کہ اس وقت علامہ اقبال کے سامنے بحث مکان و زمان ایک خاص موضوع مطالعہ تھا۔۔ (ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، مضمون "علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی۔۔): مشمولہ منتخبہ مقالات مجلہ اقبال مرتبہ گوہر نوشاہی: جون ۱۹۷۱ء: صفحات ۶۹، ۷۰)

مولانا نے اس کا حوالہ ایک شذرہ میں دیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

> "ڈاکٹر صاحب نے کرم کیا کہ ملنے میں پیش دستی فرمائی۔ قیام گاہ میں آئے۔ متعدد صحبتوں میں ساتھ رہے اور پھر خود اپنے کاشانہ میں مدعو کیا جس کو وہ دارالفقر اور میں دارالاقبال کہوں گا۔۔

> "ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتوں میں شمع محفل تھے۔ انھوں نے تو "شمع و شاعر" لکھا ہے۔ لیکن میں نے تو لاہور میں خود شاعر کو شمع دیکھا اور قدرشناسوں کو اس کا پروانہ پایا۔ ان کی صحبت لاہور کے نوجوانوں کی دماغی سطح کو بہت بلند کر رہی ہے۔ ان کے فلسفیانہ نکات، عالمانہ افکار، شاعرانہ خیالات ان کے آس پاس کی دنیا کو ہمیشہ متاثر رکھتے ہیں۔۔ (معارف: مئی ۱۹۲۷ء)

دوسری ملاقات لاہور ہی میں ہوئی۔ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس (منعقدہ ۱۹۲۸ء لاہور، زیر صدارت علامہ اقبال) میں تجویز ہوئی تھی کہ علوم اسلامیہ کی تحقیق وترویج کے لیے ایک ادارے کا قیام عمل میں لایا جائے۔ "ادارہ معارف اسلامیہ" اسی کی عملی شکل ہے۔ اس کے قیام پر مولانا ندوی نے ایک تفصیلی شذرہ معارف بابت اکتوبر ۱۹۳۲ء میں لکھا تھا۔ اس ادارے کا ایک اجلاس ۱۵۔ ۱۶۔ اپریل ۱۹۳۳ء کو لاہور میں ہوا تو مولانا ندوی نے دارالمصنفین کے دیگر رفقا کے ساتھ شرکت فرمائی تھی۔ اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے کی تھی اور مولانا ندوی نے "لاہور کے ایک مہندس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پڑھا تھا، جسے بے حد پسند کیا گیا۔

تیسری بار نسبتاً طویل یکجائی رہی۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں والی افغانستان کی دعوت پر علامہ اقبال، مولانا سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود نے افغانستان کا سفر کیا اس کا مقصد اس ملک کے نظام تعلیم میں اصلاح اور نصاب تعلیم کے لیے ضروری مشورے دینا تھا۔ اس سفر کی تفصیلات مولانا نے "سیر افغانستان" میں بیان کی ہیں اور علامہ کے تاثرات ان کی نظم "مسافر" میں موجود ہیں۔ اس سفر کے دوران میں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور تبادلہ خیالات کرنے کا بہترین موقع حاصل رہا۔

ان تین ملاقاتوں کے علاوہ "نصف ملاقاتوں" کا سلسلہ تقریباً بیس سال جاری رہا۔ علامہ نے جو ستر خطوط لکھے وہ تو مولانا کے پاس محفوظ رہے لیکن مولانا نے ان کے جو جوابات لکھے نہ تو ان کی نقول رکھیں اور نہ علامہ نے ان کی حفاظت کی۔ علامہ کے اہم استفسارات کے جو جواب مولانا ندوی نے دیے وہ یقیناً بصیرت افروز ہوں گے۔ افسوس کہ ملت علم و حکمت کے اس گرانمایہ خزانے سے محروم ہو گئی۔ جو خطوط معارف میں شائع ہوئے ان میں سے بعض پر مولانا ندوی نے مختصر فٹ نوٹس لکھے ہیں وہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ علامہ کے خطوط پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس دور میں کس موضوع سے دل چسپی رکھتے تھے، اس سے متعلق ان کے ذہن میں کیا اشکال تھیں اور انھیں دور کرنے کے لیے وہ کیا تدابیر خود اختیار کر

رہے تھے یا ان تدابیر کے بارے میں مولانا ندوی سے مشورہ طلب کر رہے تھے۔

موضوعات کے اعتبار سے ان خطوط کا جائزہ لیا جائے تو ان میں

۱--- مولانا سید سلیمان ندوی کی فضیلت کا اعتراف ملے گا۔

۲--- علامہ کا اپنی شاعری کے بارے میں جو خیال تھا اور ان کے کلام میں مولانا کو کیا خوبیاں یا خامیاں نظر آئی تھیں اس کے اشارے ملیں گے۔ جواب میں علامہ نے بعض اعتراضات کو تسلیم کیا ہے اور بعض کے رد میں استدلال کیا ہے یا سند پیش کی ہے۔

۳--- بعض دینی اور مذہبی امور میں رائے کا اظہار۔

۴--- استفسارات بابت امور مذہبی (قرآن، نبوت، امامت، فقہ، اجتہاد وغیرہ)۔

۵--- استفسارات بابت تاریخ اسلام۔

۶--- استفسارات بابت اسلامی فلسفہ، تصوف، سائنس (بالخصوص نظریات زمان ومکان)

۷--- استفسارات بابت کتب۔

مولانا ندوی کی فضیلت کے حوالے سے بعض تحریروں کا ذکر سطور ماقبل میں ہو چکا ہے۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی تحریروں کے بارے میں علامہ کی رائے بھی درج کر دی جائے۔

۱- "سیرہ عائشہ"۔

"سیرہ عائشہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیہ سلیمانی نہیں، سرمہ سلیمانی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا۔"

(مرقومہ ۲۳- دسمبر ۱۹۲۲ء)

۲- عمر خیام

"عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے۔ اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کرسکے گا۔ الحمدللہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔"

(مرقومہ ۹- دسمبر ۱۹۳۳ء)

۳۔ سیر افغانستان

"آپ کا سفر نامہ افغانستان خوب ہے لوگوں نے بہت پسند کیا۔"

(مرقومہ ۶۔ ستمبر ۱۹۳۴ء)

۴۔ دیگر نگارشات

الف:۔ ترجمہ کی داد دیتا ہوں۔ لٹریری اغراض کے لیے یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے۔ البتہ فلسفیانہ اغراض کے لیے شائد اور الفاظ وضع کیے جائیں تو بہتر ہو گا۔"

(مرقومہ ۲۔ دسمبر ۱۹۱۸ء)

(ب) "میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی جان عالم کے حالات معارف میں شائع کیے جائیں۔ مسلم اسٹینڈرڈ لندن نے ان کے کچھ حالات شائع کیے تھے۔ آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا۔ جزاک اللہ۔ معارف کا ایڈیٹر صاحب کشف نہ ہو گا تو اور کون ہو گا؟"

(ج) "معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لیے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے مالا مال ہوتی ہے۔"

(مرقومہ یکم فروری ۱۹۲۷ء)

یوں تو علامہ کی شاعری پر نقادان فن نے خوب موشگافیاں کی ہیں۔ لیکن اپنی شاعری کے بارے میں ان کے خیالات کیا تھے، اس بارے میں خوب کھل کر لکھا ہے۔ انھیں پیش نظر رکھے بغیر شاعری پر رائے دینا بے معنی دکھائی دیتا ہے۔ ادبیات عالم میں اس کی مثال شائد ہی ملے گی کہ شاعر نے اپنی شاعری کو وجہ امتیاز قرار ہی نہ دیا ہو اور اسے محض ایک وسیلہ اظہار سے زائد اہمیت ہی نہ دی ہو۔ وہ کلام کی فنی اور لفظی کوتاہیوں سے بھی واقف تھے اور ان کے اعتراف کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔ شاعری ان کے لیے ایک فن کو برتنے، زبان دانی کا مظاہرہ کرنے کا نام نہیں اسی لیے انھوں نے لکھا:

> "شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمح نظر نہیں رہا۔ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس! اس بات کو مد نظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں

(مرقومہ ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء)

"رموز بیخودی" پر مولانا ندوی نے غالباً بعض اعتراض کیے تھے کہ اصول قوافی اور اصول تشبیہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ علامہ نے ان کے جواب میں لکھا کہ

> "شاعری اس مثنوی میں مقصود نہ تھی۔ اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا۔"

(مرقومہ ۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء)

"خضر راہ" کے بارے میں مولانا کا اعتراض تھا کہ اس میں جوش بیان نہیں ہے۔ اس کی توضیح علامہ نے یوں کی ہے:

> "جوش بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے، مگر یہ نقص اس نظم کے لیے ضروری تھا (کم از کم میرے خیال میں) جناب خضر کی پختہ کاری، ان کا تجربہ اور واقعات و حوادث عالم پر ان کی نظر، ان سب باتوں کے علاوہ ان کا انداز طبیعت جو سورہ کہف سے معلوم ہوتا ہے، اس بات کا متقاضی ہے کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو۔ اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیے اور محض اس لیے کہ اس کا جوش بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے انداز طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا۔"

(مرقومہ ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء)

فارسی الفاظ اور تراکیب کے حوالے سے جو اعتراضات ہوئے ان کے جواب ۱۹۱۸ء کے اکثر خطوط میں مل جاتے ہیں۔

اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ مولانا ندوی فارسی زبان اور لغت سے

واقف تھے ، لیکن شاعر لفظ میں جس طرح معنویت پیدا کرتا ہے اور اس کے اصلی معنوں میں اضافہ کرتا ہے ، اس پر توجہ نہیں کر سکے تھے کیوں کہ انھوں نے فارسی میں شاعری کی کوشش نہیں کی۔ علامہ کا فارسی شاعری کا مطالعہ مختلف نوعیت کا تھا۔ انھوں نے پیر و مرشد رومی کا بغور مطالعہ کیا۔ ان کے خیالات سے استفادہ کیا اور دیگر شعرا کے کلام سے الفاظ اور تراکیب کے برمحل استعمال کا سلیقہ بھی سیکھا۔ چناں چہ مولانا ندوی نے جن الفاظ اور تراکیب پر اعتراض کیے ان کی رد میں علامہ نے سندیں پیش کیں۔ سند وہی پیش کر سکتا ہے جس کا مطالعہ وسیع اور نظر عمیق ہو فارسی بہرحال ان کی اپنی زبان نہیں تھی اس لیے اغلاط کے احتمال کو مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ نے مولانا ندوی کی علمیت اور نثر میں ان کے طرز خاص کی جس طرح تعریف کی ہے اس میں نہ مبالغہ ہے اور نہ تصنع۔ اس طرح مولانا نے بھی ان کے حکیمانہ خیالات اسلام اور مسلمانوں کے لیے درد کو محسوس کیا اور ان کی کتابوں پر حقیقت پسندانہ تبصرے کر کے ان کی عظمت کے نقوش واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ رموز بیخودی پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا:

> " زبان کے لحاظ سے میں ڈاکٹر اقبال کو ان شعرا میں گنتا ہوں جو معنوی محاسن اور باطنی خوبیوں کے مقابلے میں الفاظ اور محاوروں کی ظاہری صحت کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ اس ایک لغزش مستانہ پر ہزاروں متین رفتاریں قربان ہیں۔ مصرعوں کی درو بست اور فصل و وصل میں قصور ممکن ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو مصرع ڈاکٹر اقبال کی زبان سے نکل جائے وہ تیر و نشتر بن کر سننے والوں کے دل و جگر میں نہ اتر جائے۔ شاید اس کا سبب یہی ہے کہ ڈاکٹر اقبال اپنے مخاطب کے احساسات پر مذہب، فلسفہ، تصوف اور شاعری ہر راہ سے حملہ کرتے ہیں اور اس لیے اختلاف مذاق کے باوجود ان مختلف راہوں میں سے کسی ایک سے بھی بچ کر نکل نہیں سکتا۔" (معارف: اپریل ۱۹۱۸ء)

"خضر راہ" پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ نظم گو جوش بیان میں ان کی پچھلی نظموں سے کم نہیں۔ اس میں تعقید اور فارسیت میں بھی کمی ہے۔ ان کی شاعری کا اصلی جوہر فلسفہ اور تخیل کی مصالحانہ آمیزش ہے اور ان کی یہ خصوصیت اس نظم میں نمایاں ہے۔" (معارف: مئی ۱۹۲۲ء)

مجموعی طور پر وہ اس بات کے قائل تھے کہ

> "اقبال کی تصنیفات زمانے میں یاد رہیں گی۔ وہ اسلام کا غیر فانی لٹریچر بن کر انشاء اللہ رہے گا۔ ان کی شرحیں لکھی جائیں گی۔ نظریے ان سے بنیں گے۔ ان کا فلسفہ تیار ہو گا۔ ان کی دلیلیں ڈھونڈھی جائیں گی۔ قرآن پاک کی آیتوں، احادیث شریفہ کے جملوں مولانا رومی اور حکیم سنائی کے تاثرات سے ان کا مقابلہ ہو گا اور اس طرح اقبال کا پیام اب دنیا میں انشاء اللہ زندہ رہے گا اور اقبال زندہ جاوید۔" (معارف: مئی ۱۹۳۸ء)

علامہ نے اپنے خطوط میں جو سوالات اٹھائے ہیں وہ نوعیت کے اعتبار سے بے حد اہم ہیں اور آج بھی ذہنی انتشار کے باعث ہیں۔ مولانا ندوی کے جوابات حاصل ہو جاتے تو بہت سے مشکل مسائل سے نجات حاصل ہو جاتی۔ اب ان کے پائے کا عالم اور صاحب نظر تو کوئی نہیں لیکن فرقہ اور گروہ سے بالاتر سنجیدہ طبع صاحب فکر و نظر ایک ایک سوال پر غور کرے اور ان کا مدلل جواب فراہم کرے تو ملت کی رہنمائی کا حقیقی فرض ادا ہو جائے۔ مولانا ندوی نے علامہ کے بعض استفسارات کے جو جوابات دیے وہ معارف میں بطور حاشیہ درج تھے۔ انھیں بھی اس مجموعے میں من و عن شامل کیا گیا ہے۔ جوابات اختصار میں ہونے کے باوجود ان سے کسی قدر تشفی ہو جاتی ہے۔ مجموعی طور پر سوالات اور استفسارات کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں بخوف طوالت درج نہیں کیا جا سکتا۔

اردو شاعری میں "زمان و مکان" کا بیان فلسفیانہ، صوفیانہ یا سائنسی نقطہ نظر سے پہلی بار علامہ کے اشعار میں ملتا ہے۔ اس موضوع پر ان کی فکر کا آغاز ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ اس کی شہادت اس طرح فراہم ہوتی ہے کہ ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء سے قبل

کے کسی خط میں اس کا حوالہ نہیں۔ انھوں نے پہلی بار لکھا تھا کہ

" کیا حکما و صوفیاے اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے۔۔

(مرقومہ ٥۔ اکتوبر ١٩٢١ء)

اور پھر ٨۔ اگست ١٩٣٣ء کو دریافت کیا تھا کہ

" حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات اور کتاب میں حقیقت زمان کی بحث کس کس جگہ ہے، حوالے مطلوب ہیں۔۔

" حضرات صوفیہ میں اگر کسی اور بزرگ نے بھی اسی مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمایئے۔۔

" متکلمین کے نقطہ نظر سے حقیقت زمان یا آن سیال پر مختصر اور مدلل بحث کون سی کتاب میں ملے گی؟"

اس موضوع پر علامہ نے برسوں مطالعہ اور غور و فکر کیا۔ ١٩٢٧ء میں جب ان کی ملاقات مولانا ندوی سے ہوئی تو اس وقت بھی امام رازی کی " مباحث مشرقیہ" کے حوالے سے یہی موضوع زیر بحث رہا تھا۔ علامہ نے مولانا ندوی کے علاوہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد (علی گڑھ) اور علامہ سید محمد انور شاہ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) سے بھی معلومات حاصل کی تھیں۔

علامہ کے فکر و فلسفہ اور شاعری کو سمجھنے میں ان کے خطوط بے حد ممد ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے ان کی ذہنی افتاد، حقائق کی تلاش کے لیے روحانی تڑپ کے علاوہ وہ طالبانہ شان ملتی ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی جہاں کہیں بھی حاصل ہو سکے ضرور حاصل کر لیا ہے۔ حصول علم کے جوش و جذبہ میں نہ بڑھتی ہوئی عمر مانع ہوتی ہے اور نہ منصب و مرتبہ مانع ہوتا ہے۔ یہ شان طلب علم اسی میں ہوتی ہے جو فیض پانے کے سوا فیض پہنچانے کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ علامہ ساری عمر جویاے علم رہے اور جو کچھ حاصل کیا وہ شاعری کے ذریعے زمانے کو واپس کر دیا۔

آثار علمیہ و ادبیہ:

مکاتیب سر محمد اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

علامہ اقبال مرحوم کے یہ خطوط جو مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ہیں، دارالمصنفین کے ذخیرہ نوادر میں محفوظ ہیں۔ مولانا معین الدین ندوی مرحوم ناظم دارالمصنفین و مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ نے انھیں معارف کی جلد ۳، نمبر ۴ تا جلد ۵، نمبر ۱ میں بہ سلسلہ "آثار علمیہ و ادبیہ" شائع کر دیا تھا۔ ان پر جا بجا حواشی خود حضرت سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے نادر روزگار قلم سے یادگار ہیں۔ حواشی میں بعض مقامات پر "س" (= سلیمان) لکھ کر انھوں نے ظاہر کر دیا ہے اور حواشی کے انداز تحریر سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی خط میں کوئی حاشیہ اب بڑھایا گیا ہے تو وہاں "ش" (= شفقت) کا اشارہ موجود ہے۔ بعض ملکی اور وطنی شخصیات پر حواشی خطوط کے آخر میں شامل کر دیے ہیں۔ سلسلۂ مکاتیب کے آغاز میں مولانا معین الدین کے قلم سے مندرجہ ذیل نوٹ بھی تھا:

> معارف میں حضرت الاستاذ کے نام ہندوستان کے مشاہیر اور علما و اصحاب کمال کے خطوط کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے، وہ بہت پسند کیا گیا۔ گذشتہ مہینہ ناغہ ہو گیا تھا تو اس کو جاری رکھنے کے لیے متعدد خطوط آئے۔ ان کے نام سر اقبال کے بھی

بہت سے خطوط ہیں۔ یہ خطوط اگرچہ ان کے مجموعۂ مکاتیب "اقبال نامہ" میں شائع ہوچکے ہیں، مگر یہ اصل میں دارالمصنفین ہی کی ملکیت ہیں اور یہیں سے ان کی نقل بھیجی گئی تھی۔ یہ خطوط علمی حیثیت سے بہت اہم ہیں اور اکثر ناظرین معارف کی نگاہ سے نہ گزرے ہوں گے۔ اس لیے معارف میں بھی ان کو شائع کردینا مناسب معلوم ہوا۔ اس کے بعد انشاء اللہ دوسرے اکابر کے غیر مطبوعہ خطوط مسلسل شائع کیے جائیں گے۔۔

شفقت رضوی

مکاتیب

------ (۱) ------

لاہور　　　　　یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

اورینٹنل کالج، لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ ماہوار ہے۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لیے پسند فرماتے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو آپ کے لیے سعی کی جائے۔ آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لیے بیحد مفید ہو گا۔ والسلام

آپ کا خادم　　محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور

------ (۲) ------

لاہور　　　　　۱۲۔ نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے، لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیل ارشاد میں آپ کو لکھنا ضرور تھا۔ کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبہ متحدہ کے علما و فصحا سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے، اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے۔ مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا

مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں مگر مسلمان امرا میں مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے ، میری کوشش بارآور نہ ہوئی ۔ اللہ تعالی دارالمصنفین کے کام میں برکت دے اور آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے مفید ثابت کرے ، آپ کی غزل لاجواب ہے ۔ بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ اک قطرہ خوں جو رگ گلو میں ہے

مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا اور جو چند نظمیں انھوں نے لکھی تھیں وہ نہایت مقبول ہوئیں ۔ غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھیے ۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا ۔

مخلص محمد اقبال ۔ لاہور

------(۳)------

لاہور ۱۳ ۔ نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوت روح اور اطمینان قلب کا باعث ہے ۔ میں ایک مدت کے مطالعے اور غور و فکر کے بعد ان ہی نتائج پر پہنچا ہوں ، جو آپ کے والانامے میں درج ہیں ۔ جو کام آپ کر رہے ہیں ، جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے ۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا

ہے، جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے۔

آپ کو خیر القرون قرنی والی حدیث یاد ہوگی۔ اس میں نبی کریم فرماتے ہیں کہ میری امت میں تین قرون کے بعد سمن (ویظہر فیھم السمن) کا ظہور ہوگا۔ میں نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شائع کیے تھے جس کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مراد رہبانیت ہے، جو وسط ایشیا کی اقوام میں مسلمانوں سے پہلے عام تھی۔ ائمہ محدثین نے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے۔ مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہیں کھلتا۔ افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے میں ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ غلوئی الزہد اور مسئلہ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بدھ (سمنیت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے، مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلہ قادریت کا ہے، جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں حالانکہ حضرت محی الدین (۱) کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

مؤلف سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطواسین موسیو مسیگنان ہے جس نے فرانسیسی زبان میں طواسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ انشاء اللہ معارف کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرار خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموز بے خودی (اسرار حیات ملیہ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے۔ شائع ہونے پر ارسال خدمت کروں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱) حضرت محی الدین عبدالقادر گیلانی

------(۴)------

لاہور ۲۸- اپریل ۱۹۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ رموز بے خودی میں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی۔ ریویو کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے، انھوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مولانا شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں، اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا، اسرار خودی کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں، عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

رسالہ صوفی میں میں نے کوئی نظم شائع نہیں کی، کوئی پرانی مطبوعہ نظم انھوں نے شائع کر دی ہوگی، ورنہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں صوفی کو معارف پر ترجیح دوں۔ معارف ایک ایسا رسالہ ہے، جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے۔ میں انشاء اللہ ضرور آپ کے لیے کچھ لکھوں گا۔ یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا میں نے آپ سے کیا تھا اور میں اس وقت تک پورا نہیں کر سکا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

------(۵)------

لاہور ۱۰- مئی ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب! السلام علیکم

معارف میں ابھی آپ کا ریویو ("مثنوی رموز بے خودی۔ پر) نظر سے

گزرا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

صحت الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہوگا، لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لئے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا۔ اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کر کے مجھے ان سے آگاہ کیجیے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہوجائے۔

غالباً آپ نے "رموز بیخودی" کے صفحات پر ہی نوٹ کیے ہوں گے؟ اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجیے، میں دوسری کاپی اس کے عوض میں آپ کی خدمت میں بھجوادوں گا۔

اس تکلیف کو میں ایک احسان تصور کروں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

------(۶)------

لاہور ۲۳۔ مئی ۱۹۱۸ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

چند اشعار معارف کے لیے ارسال خدمت ہیں۔ ان میں سے جو پسند آئے، اسے شائع کیجیے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاک جادوئے سامری تو قتیل شیوہ آذری

میں نوائے سوختہ در گلو ، تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
میں حکایت غم آرزو تو حدیث ماتم دلبری
مرا عیش غم ، مرا شہد سم ، مری بود ہم نفس عدم
ترا دل حرم گرد عجم ، ترا دیں خریدہ کافری
تری راکھ میں ہے اگر شرر ، تو خیال فقروغنا نہ کر
کہ جہان میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری
کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشت سمندری
گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"۔
کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

۔۔۔۔۔۔(۷)۔۔۔۔۔۔

لاہور ۸۔ ستمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

"رموز بیخودی" کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا، اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہوگیا، امید کہ توجہ فرمائی جائے گی، تاکہ میں دوسرے ایڈیشن میں آپ کے ارشادات سے مستفید ہوسکوں۔

دساتیر کے حوالوں کے متعلق آپ نے لکھا تھا۔ اس وقت اورینٹل کالج لاہور کا کتب خانہ بند تھا، اور اب بھی بند ہے، اکتوبر میں کھلے گا۔ اگر

کچھ حوالے دستیاب ہوگئے تو عرض کروں گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

روس کے مسلمانوں کے متعلق جو مضمون معارف میں شائع ہوا ہے اسے ایک علاحدہ رسالے کی صورت میں شائع کرنا چاہیے۔

محمد اقبال

------(۸)------

لاہور ۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب مولانا! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے نہایت ممنون ہوں مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں چند روز کے لیے شملہ گیا تھا، وہاں معلوم ہوا کہ آپ بھی تشریف رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا، جس میں مصروفیت رہی۔ البتہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی، کیونکہ رات کو سیرت نبوی کا مطالعہ رہتا تھا مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا جس کا صلہ دربار نبوی سے عطا ہو گا۔

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا، بالکل بجا ہے۔ مگر چونکہ شاعری اس مثنوی (۱) سے مقصود نہ تھی، اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا۔ اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کی قوافی کی مثالیں ملتی ہیں، اور ظہوری کے ساقی نامہ کے چند شعر بھی زیر نظر تھے۔ غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہونگی۔

اصول تشبیہہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی۔ قوت

واہمہ کے عمل کے رو سے بیدل و غنی کا طریق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ گو کتب بلاغت کے خلاف ہے۔ زمانہ حال کے مغربی شعراء کا بھی طرز عمل یہی ہے۔ تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں اور میں ان سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کروں گا۔

بحر تلخ رو، کلمہ بسکون لام، باریک تراز جو (بمعنی کم در عرض و عمق) کوری ذوق، محفل از ساغر رنگیں کردن، سرمہ او دیدۂ مردم شکست، سازِ برق آہنگ، از گلِ غربت (بمعنی شر) نوابالیدن، صبح آفتاب اندر قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں، مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہو گا نظر انداز کرتا ہوں، البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ میں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں۔

ایک امر دریافت طلب ہے اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجیے، "قطرہ از نرگس شہلا ستی۔" پر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے میں نہیں سمجھ سکا، کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرے کا لفظ شہلا کے لیے (یعنی قطرہ شہلا) موزوں نہیں یا کچھ اور؟ علیٰ ہذا القیاس) "خیمہ برزد در حقیقت از مجاز۔ نعرہ زد شیرے از دامان دشت"۔ "بازبانت کلمہ توحید خواند۔" کے متعلق بھی یہی سوال ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

مخلص محمد اقبال

(۱) اسرار خودی

مخلص محمد اقبال

------ (۹) ------

لاہور ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کے دونوں نوازش نامے مل گئے جن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

میں بخار میں مبتلا تھا اس لیے جواب نہ لکھ سکا۔ اس کے علاوہ ٹیک چند بہار کی ابطال ضرورت میرے پاس لاہور میں موجود نہ تھی۔ اس رسالہ میں لفظ کلمہ پر بحث ہے، دیکھ کر جواب عرض کروں گا اور باقی اسناد بھی لکھوں گا۔

سیر فارسی میں ان معنوں میں آتا ہے سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن، بلکہ سیر دیدن بھی،

عمر ہا صائب بشہر عقل بودم کوچہ بند
مدتے ہم باغزالاں سیر صحرا می زنم

(مخلص کاشی)

تماشا دارواے مہ باتوسیر گلستاں کردن
کہ از شرم رخت ہر گل بچندیں رنگ خواہد شد

لفظ نعرہ حیوانات کی آواز کے لیے بھی آتا ہے۔ اس وقت نعرہ اسپ کی سند موجود ہے اور مجھے یاد ہے، شیر کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ انشاء اللہ عرض کروں گا۔ مگر میں نے اور وجوہ سے اس شعر میں ترمیم کر دی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غریدن بہت بہتر ہے۔

دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہیں اور دشت کے لیے ضرور نہیں کہ بالکل خشک ہو۔۔۔۔

مپرس از آب و رنگ کوہسارش
ہزاراں دشت لالہ داغدارش

(یحییٰ شیرازی)

دشت در معنی آبادی و ویرانہ آیا ہے اور معنی کلّیت کے پیدا کرتا ہے۔ مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں کہ میں نے ہر دو اشعار زیر بحث میں،

ترمیم کر دی ہے ، دشت و در ایسا ہی ہے جیسے کوہ و دشت ، پست و بلند سے تقطیع بھی نہیں گرتی۔ آپ نے مصرع صحیح نہیں لکھا:

ع : نعرہ زد شیرے در دامان دشت

نہیں بلکہ

ع : " نعرہ زد شیرے ازدامان دشت "

ہے۔ باقی باتیں انشاء اللہ دوسرے خط میں عرض کروں گا۔

جس توجہ سے آپ نے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے اس کے لیے نہایت شکر گذار ہوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

------(۱۰)------

لاہور ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

اسناد حسب وعدہ حاضر ہیں۔

(۱) ع: از گل غربت زماں گم کردہ (رموز)

آپ کا ارشاد اس مصرعے پر یہ تھا کہ " از گل " بمعنی بدولت اچھے معنوں میں آتا ہے ، برے معنوں میں نہیں آتا۔ بہار عجم میں زیر لفظ " گل " یہ محاورہ بھی دیا ہے اور اشعار بھی دیے ہیں:

ع: زیر دست چرخ بودن از گل بے فطرتی ست

(۲) ع: محفل رنگیں بیک ساغر کند (رموز)

نہ ہفتاد و دو ملت گردش چشم تو می سازد
بیک پیمانہ رنگین کردہ یک شہر محفلہا (ناصر علی)

(۳) ع: سرمۂ او دیدۂ مردم شکست (رموز)
ع: چشم وگوش شکستن ، یعنی نابینا شدن (بہار عجم)
ع: ترسم زگریہ چشم گہر بار بشکند (صائب)

(۴) عشق را داغے مثال لالہ بس
درگریبانش گل یک نالہ بس (رموز)

گل نالہ پر آپ کا ارشاد تھا۔

چنگے بتار نغمہ قانون شیر زن
گلبرگ نالۂ بگریبان دل فشاں (زلالی)

(۵) زآسمان آبگوں یم می چکد
من زجو باریک تر می سازمش

لفظ "باریک" پر آپ کا ارشاد تھا کہ صحیح نہیں۔ باریک بمعنی کم درعرض وعمق بھی آیا ہے۔

نازک تراست ازرگ جاں گفتگوے من
باریک شد محیط چوں آمد بجوے من (صائب)
از تواضع می تواں مغلوب کردن خصم را
می شود باریک چو سیلاب از پل بگذرد

(۶) ع: کور ذوقاں داستانہا ساختند (رموز)

کور ذوقی کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے۔

چہ غم زن عروس سخن را بتر
کہ برکور ذوقاں شود جلوہ گر (ظہوری)
کور ذوقاں زفیض تربیت
چوں مسیحا مزاجدان سخن (ملا طغراء)

(۷) نوابالیدن

ع: تانوائے یک ازان بالیدہ است (رموز)

ع: تاچند بیالہ نفس اندر و نوایم (بیدل)

(۸) بحر تلخ رو

ع: بود بحر تلخ رو یک سادہ دشت (رموز)

تلخ رو. بحر کی صفات میں آتا ہے (بہار عجم)

(۹) نعرہ زد شیرے ازدامان دشت (رموز)

منجملہ اور ارشادات کے ایک یہ ارشاد تھا کہ لفظ نعرہ شیر کے لیے ٹھیک نہیں۔ بہار عجم میں ایک شعر دیا ہے، جس میں نعرہ اسپ لکھا ہے۔

بابر ماند، چوپے برنہادونعرہ کشاد (معز فطرت)

(۱۰) ساز برق آہنگ او نتواختہ (رموز)

آپ کا ارشاد تھا کہ ساز برق صحیح نہیں، لیکن مصرعے میں ساز کی صفت برق آہنگ ہے اور برق آہنگ ساز کی صفت آتی ہے، (بہار عجم زیر لفظ ساز)

(۱۱) ہم چو صبح آفتاب اندر قفس (رموز)

آپ کا ارشاد تھا کہ صبح کے لیے آفتاب کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ترکیب مرزا بیدل کی ہے۔ میں نے اس کے لیے محل استعمال نہیں پیدا کیا ہے، یعنی کعبۃ اللہ کے گرد اگر جب ملت بیضا نماز پڑھتی ہے یا طواف کرتی ہے تو یہ نظارہ صبح آفتاب در قفس سے مشابہ ہے۔

ملت بیضا بہ طوفش ہم نفس
ہم چو صبح آفتاب اندر قفس

(۱۲) ع: اے بصیری را رِدا بخشندہ (رموز)

بصیری کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے بصیری کو جو جذام میں مبتلا تھا اپنی چادر مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی۔ جس کے اثر سے اس نے جذام سے نجات پائی۔ بعض لوگوں میں قصیدہ بصیری قصیدیہ بردہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۱۳) من شب صدیق را دیدم بخواب
گل زخاک راہ او چیدم بخواب

دوسرے مصرعے پر آپ کا یہ ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہیے۔ اور "گل زخاک راہ او چیدم" کیا مطلب؟ یہ واقعہ خواب کا ہے جو خواب میں دیکھا گیا بعینہ اسی طرح نظم کر دیا گیا۔

(۱۴) بازبانت کلمہ توحید خواند لفظ کلمہ کے متعلق بھی لکھوں گا، افسوس ہے "ابطال ضرورت" دستیاب نہیں ہوئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں اس لفظ پر بحث ہے۔ بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے بتحریک و بسکون دونوں طرح استعمال کیا ہے، انھوں نے کمی کر دی ہے۔ مثلاً: رب ارنی، رمضان، حرکت متوازی، وقران وغیرہ اس کا بسکون استعمال ہونا یقینی ہے۔ اسناد انشاء اللہ عرض کروں گا۔ جواہر الترکیب میں چار دفعہ بسکون لام آیا ہے

(۱۵) فرد و قوم آئینہ یک دیگراند
(رموز) ہم خیال و ہم نشین و ہمسراند

لفظ ہم خیال کی نسبت آپ کو شبہ تھا

یاد ایامے کہ باہم آشنا بودیم ما
ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما

لیکن میں نے یہ لفظ شعر سے نکال دیا ہے۔

(۱۶) بائے بسم اللہ حضرت علیؓ کے لیے قاآنی نے لکھا ہے اور میم مروت مولانا جامی نے تحفتہ الاحرار میں لکھا ہے ۔ میں نے "میم مرگ" لکھا تھا ۔

(۱۷) قوانی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا، صحیح ہے ۔ قاعدہ بھی ہے جو آپ تحریر فرماتے ہیں مولانا روم ان باتوں کی پروا نہیں کرتے، ظہوری کے دو شعر جو زیر نظر تھے عرض کرتا ہوں:

گل شو تم از آب و گل بروید
برقاصی از سینہ دل جہد
چو از چشم جادو بجا در رود
باعجاز پہلو بہ پہلو زند

دوسرا شعر کسی قدر مشتبہ ہے، کوئی اور اڈیشن ساقی نامہ کی دستیاب نہیں ہوئی، ورنہ مقابلہ کرتا ۔ بہر حال قاعدے کی خلاف ورزی کیے بغیر اگر شعر لکھا جا سکتا ہو تو قاعدہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے ۔ انشاء اللہ ان قوانی پر نظر ڈالا کروں گا ۔

(۱۸) ورثہ، دورہ، خیال وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے ۔ لیکن ان الفاظ کے متعلق پھر بھی کچھ عرض کروں گا ۔

(۱۹)
شاہ رمز آگاہ شد محو نماز
خیمہ برزد از حقیقت در مجاز
نعرہ زد شیرے از دامان دشت
دشت و در از ہیبتش لرزندہ گشت

ان اشعار کے متعلق جو کچھ آپ کا ارشاد ہے، اس سے مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اتفاق نہیں کرتے ۔ لیکن فی الحال ان

پیش کردہ اسناد سے مجھے تسکین نہیں ہوئی۔ دو چار روز تک نتیجہ عرض کروں گا ان اسناد کو ملاحظہ فرمائیے اور بتائیے کہ کون سی صحیح اور کون سی غلط ہے؟ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال۔ لاہور

------(۱۱)------

لاہور ۲۰۔ نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کئی روز ہو گئے ایک عریضہ خدمت عالی میں لکھا تھا۔ جواب سے ہنوز محروم ہوں۔ "خیمہ برزد از حقیقت در مجاز" کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے، کیوں کہ خیمہ برزدن کے معنی قیام کرنے کے ہیں۔ میں تلاش میں تھا کہ کوئی سند مل جائے، جیسا کہ میں نے گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا۔ آج کلیات سعدی میں وہ سند مل گئی جو ارسال خدمت ہے۔

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار
وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

بصیری کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے۔ گذشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھول گیا تھا۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے۔ مطلع فرمائیے کہ جو اسناد میں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں، ان کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟ الفاظ، ورثہ اور خیال کے متعلق بھی عرض کروں گا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

(۱۲)

لاہور دوسری۔ دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ مل گیا ہے۔ حالات معلوم ہونے پر طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینان قلب عطا فرمائے۔ آپ کا یہ فقرہ کہ "میرے ساتھ خدا کا معالہ عجیب ہے"۔ گویا تمام ملت مرحومہ کے احساسات کا ترجمان ہے۔ جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے، اس کی روحانی تربیت کے لیے ابتلا کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک انگریزی مصنف، جسے ابتلا کے دور رس نتائج کا تجربہ ہو چکا تھا لکھتا ہے کہ

"دکھ دیوتاؤں کی ایک رحمت عظیم ہے تاکہ انسان زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے"۔

آپ امت محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں اور اس مامور من اللہ قوم کے خاص افراد کو ہی امر الٰہی ودیعت کیا گیا ہے۔ فرقہ یاسیہ کو چھوڑ کر فرقہ رجائیہ میں آجایئے۔ جس حقیقت کو آپ زیر پردہ دیکھ چکے ہیں اس کی بے نقابی کا زمانہ قریب ہے۔ انشاء اللہ

زمانہ باز بیفروخت آتش نمرود
کہ بے نقاب شود جوہر مسلمانی

شخصی اعتبار سے مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ ہمدردی ہے۔ یقین جانیے کہ آپ کے الفاظ نے میرے دل پر سوزو گداز کی کیفیت طاری کر دی اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و مصائب میں استقامت عطا فرمائے۔

ہاں ترجمہ کی داد دیتا ہوں۔ لٹریری اغراض کے لیے یہ ترجمہ نہایت

عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے، البتہ فلسفیانہ اغراض کے لیے شاید اور الفاظ وضع کیے جائیں تو بہتر ہو گا۔

پنجاب میں بھی بیماری نے غضب ڈھایا (۱) لاہور میں تو چند روز یہ حالت رہی کہ گورکن بھی نہ مل سکتے تھے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

---

(۱) پہلی بڑی جنگ کے بعد انفلوانزا کی سخت مہلک وبا نمودار ہوئی تھی۔

(۱۳)

لاہور
۲۳۔ مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

ایک عرصے سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ معارف میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے، جس میں انھوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر نقل کیا ہے، کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹا سے کون سی تاریخ کو لکھا گیا تھا؟ صاحب مضمون نے خط کی تاریخ نہیں بتائی۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا مخلص۔ محمد اقبال

(۱۴)

لاہور
۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں، الحمد للہ کہ مولانا آزاد کو

73268

آزادی ملی (۱) کیف باطن میں بالخصوص آج کل " صحو " ہی کی ضرورت ہے۔ نبی کریم نے صحابہ کی تربیت اسی حال میں کی تھی۔ " شکر " کی حالت عمل کی دشوار گذار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے۔ باقی حالات میں اس کا اثر روح پر ایسا ہی ہے جیسا جسم پر افیون کا۔ مولانا آزاد اب کہاں ہیں؟ پتا لکھیے کہ ان کی خدمت میں عریضہ لکھوں۔

میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجیے۔ آپ کو زخمت تو ہوگی، لیکن مجھے فائدہ ہوگا۔ " بادہ نارسا (۲) کے لیے مجھے کوئی سند یاد نہیں بادہ نارس یا میوہ نارس (بمعنی خام) لکھتے ہیں، لفظ مینار غلط ہے، صحیح لفظ منار بغیر " ے " کے ہے۔ یہ الفاظ اس زمانے کی نظموں میں واقع ہوئے ہیں جس زمانے میں میں سمجھتا تھا کہ لٹریچر میں ہر طرح آزادی (سے کام) لے سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نظموں میں میں نے اصول بحر کا بھی خیال نہیں کیا اور اراداً۔

مجموعہ اب تک مرتب نہ ہو سکنے (۳) کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ان تمام لفظوں پر نظرثانی کرنا چاہتا ہوں، جس کے لیے فرصت نہیں ملتی۔ انشاء اللہ بعد از نظرثانی شائع کروں گا۔ اگرچہ مقصود اس شعرگوئی کا نہ شاعری ہے نہ زبان۔ مولانا گرامی جالندھری شاعر حضور نظام نے ایک غزل لکھ کر ڈاک میں ارسال کی ہے جس کے اشعار عرض کرتا ہوں۔ پسند ہوں تو معارف میں شائع کیجیے۔

پنہانم و پیدایم کیفم بشراب اندر
پیدا یم و پنہا نم ۔ داغم بکباب اندر
دیباچہ بودم ہیچ ، انگیز وجودم ہیچ
مضمون خیالم من پیچیدہ بخواب اندر

آں نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این ست
جاں ہست بجسم اندر ، دریا بحباب اندر
از موسی من می پرس از غیر چہ می پرسی
شوقم بسوال اندر ، ذوقم بجواب اندر
رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم
خوابست بمرگ اندر ، مرگ است بخواب اندر
در کشمکش لائیم در جذبہ الا ہم
ہیچیم و ہمہ مائیم چوں عکس بآب اندر
دیدیم گرامی را در خلد بریں امشب
ابلہ بہ بہشت اندر ، دانا بعذاب اندر

مخلص محمد اقبال - لاہور

---

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد رانچی کی نظر بندی سے جنگ عظیم کے بعد رہا ہونے تھے۔ (۲) یہ دو غلط لفظ اقبال نے استعمال کیے تھے۔ (۳) میرا بار بار اصرار تھا کہ اردو نظموں کا مجموعہ چھپوا دیجیے۔ یہی مجموعہ بانگ درا کے نام سے چھپا ہے۔

ــــــ (۱۵) ــــــ

لاہور
۲۶۔ اگست ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

معارف میں ابھی تصوف وتناسخ پر ایک مضمون نظر سے گزرا۔ ہندوستان ریویو میں بھی میں نے یہ مضمون دیکھا تھا۔ خیر علمی اعتبار سے تو اس کی وقعت کچھ بھی نہیں، البتہ ایک بات آپ سے دریافت طلب ہے۔

ع۔ ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

کی نسبت آپ نے لکھا ہے کہ یہ مولانا کا شعر ہے مجھے ایک عرصے سے اس میں تامل ہے۔ مثنوی کبھی شروع سے لے کر آخر تک پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر ایک قابل اعتبار بزرگ نے قریباً چار سال ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ یہ شعر مولانا کا نہیں ہے اور نہ مثنوی میں ہے۔ اگر مثنوی کے کسی اڈیشن میں آپ کی نظر سے یہ شعر گزرا ہو تو مہربانی کر کے اڈیشن اور صفحے کا حوالہ دے کر ممنون فرمایئے (۱)۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال۔ لاہور

---

(۱) یہ شعر مولانا کی مثنوی میں نہیں مولانا کے کلیات میں ہے۔

---

(۱۶)

لاہور ۱۷۔ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے، مگر میں لاہور میں نہ تھا۔ اس واسطے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمایئے گا۔

یہ شعر گلشن راز کا نہیں ہو سکتا اس کی بحر اور ہے۔ ع:

" یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست "

انشاء اللہ معارف کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ کئی ماہ کے بعد صرف تین شعر لکھے تھے نقیب (۱) کا عرصے سے تقاضا تھا۔ اس کے لیے بھیج دیے۔

میں تو اپنے اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتا، لیکن جب اڈیٹر معارف

ان کے لیے تقاضا کرتے ہیں تو شبہہ ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہی کچھ ہو۔

حیدر آباد کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں۔ افواہاً میں نے کئی دفعہ سنا ہے کہ وہاں اقبال کا تذکرہ ہے۔ مگر مجھ تک کبھی کوئی باقاعدہ اطلاع نہیں آئی، نہ میں نے خود کوئی درخواست آج تک کی۔

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

---

(۱) نقیب نام کا ایک رسالہ بدایوں سے نکلتا تھا۔

۔۔۔۔۔(۱۷)۔۔۔۔۔

لاہور

۲۷۔ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دوسرے صفحے پر چند اشعار معارف کے لیے لکھتا ہوں۔ مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ گذشتہ رات زکام کی وجہ سے سو نہ سکا، یہ تاثر ایک چھوٹی سی تضمین کی صورت میں منتقل ہو گیا۔ درد سر نے زیادہ شعر نہ لکھنے دیے اور نہ طبیعت پر زیادہ زور دے سکا، معلوم نہیں اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ واقعات صاف اور نمایاں ہیں، مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیعوں (۱) کے اشارے پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔ افسوس مفصل عرض نہیں کر سکتا کہ زمانہ نازک ہے۔ بہرحال اگر یہ اشعار آپ کو پسند نہ ہوں یا رسالہ معارف کے لیے آپ انھیں موزوں نہ تصور فرمائیں تو واپس بھیج دیجیے۔

مسئلہ تصویر پر آپ نے خوب لکھا اور اصول تشریعی واضح کرکے کئی اور مسائل کو بالکنایہ حل کر دیا۔ للہ درک۔

اس خط کو پرائیوٹ تصور فرمائیے۔

بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے
مگر آج ہے وقت خویش آزمائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی
"مرا از شکستن چنیں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

عنوان ان اشعار کا آپ خود تجویز کرلیں۔ اصل فارسی شعر میں "دیگراں" کی جگہ "ناکساں" ہے میں نے یہ لفظی تغیر ارادتاً کیا ہے۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱) اشارہ ہزہائنس آغا خان کی طرف ہے۔ مجلس خلافت کی بنیاد اسی طرح پڑی تھی، یعنی یہ کہ آغا خان نے مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم بیرسٹر کو آمادہ کیا اور انھوں نے مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کو لکھ کر آمادہ کیا۔

------(۹)------

لاہور ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا، عنوان جو آپ نے تجویز فرمایا ہے ٹھیک ہے۔ تبصرہ کے متعلق میں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ میرا مجموعہ شائع ہولے تو لکھیے، فی الحال میں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہوں جس کا

قریباً نصف حصہ لکھا جا چکا ہے (۱) کچھ نظمیں فارسی میں ہوں گی، کچھ اردو میں۔ کلام کا بہت سا حصہ نظرثانی کا محتاج ہے، لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں دیتے کہ ادھر توجہ کر سکوں تاہم جو کچھ ممکن ہے کرتا ہوں۔ شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمح نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو، اور بس۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں۔ اس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجے کی جانکاہی چاہتا ہے، اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لیے ممکن نہیں۔ جرمنی کے دو بڑے شاعر بیرسٹر تھے، یعنی گوئٹے اور ہلنڈ۔ گوئٹے تھوڑے دن پریکٹس کے بعد ویمر کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اس طرح فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا اسے پورا موقع مل گیا۔ اور ہلنڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت تھوڑی نظمیں لکھ سکا اور وہ کمال پورے طور پر نشو و نما نہ پا سکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا غرض یہ کہ موجودہ حالات میں میرے افکار اس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لیے سید سلیمان کا دل و دماغ صرف ہو، لیکن اگر احباب تبصرہ پر مصر ہیں تو یہی بہتر ہے کہ مجموعے کا انتظار کیا جائے۔ اس کے علاوہ میں اپنے دل و دماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں اور یہ سرگذشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں اس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہو گا۔

کاش یاجوج ماجوج پر آپ کوئی مضمون لکھتے، یہ امر تحقیق کا محتاج

ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱) پیام مشرق کی تالیف کی اطلاع

------(۱۹)------

لاہور

۱۰۔ نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موکلین وکلا کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لیے آتے ہیں تو ان میں سے بعض پھل، پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں۔ یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں کیا یہ مال مسلمان کے لیے حلال ہے؟

مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گزرا ہو گا، بہت دلچسپ کتاب ہے۔ مگر دیباچے میں مولوی فضل الدین احمد (۱) لکھتے ہیں کہ۔

"اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال ہی کی آواز باز گشت ہیں۔

شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کیے ہیں ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں۔ اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں نظم ونثر انگریزی و اردو موجود ہیں، جو غالباً مولوی صاحب کے پیش نظر نہ تھیں۔ بہر حال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انھوں نے ایسا کیوں لکھا۔ مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ کہ نام آوری، البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال تحریک الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا۔

تحریک الہلال نے اسے مسلمان کر دیا ۔ ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے ۔ ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو ۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی ، مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سنے گئے ان میں اور مثنویوں میں زمیں وآسمان کا فرق ہے ۔ ۔ معلوم نہیں انھوں نے کیا سنا تھا اور سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایسا جملہ لکھنا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں ، کسی طرح ان لوگوں کے شایان شان نہیں جو اصلاح کے علمبردار ہوں ۔ مجھے معلوم نہیں مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں ، ورنہ یہ موخرالذکر شکایت براہ راست ان سے کرتا ۔ اگر آپ سے ان کی ملاقات ہو تو میری شکایت ان تک پہنچائیے (۲) ۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا ۔ والسلام

آپ کا خادم   محمد اقبال ۔ لاہور

---

(۱) مولوی فضل الدین احمد اس زمانے میں گویا الہلال اور الہلال پریس کے منیجر تھے ۔

(۲) مولوی فضل الدین احمد کو تو نہیں حضرت سید سلیمان ندوی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو حضرت علامہ کے خیالات سے آگاہ کیا تھا ۔ مولانا نے حضرت علامہ کے شکوے کا نہایت شریفانہ جواب دیا ۔ سید صاحب کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> " ڈاکٹر اقبال کا شکوہ بے جا نہیں ، یہ نہایت ہی لغو اور سبک بات ہے کہ فلاں نے فلاں بات فلاں کے اثر سے لکھی اور فلاں کے خیال میں یوں تبدیل ہوئی ۔ لیکن لوگوں کا پیمانہ نظر یہی باتیں ہیں تو کیا کیا جائے !
>
> دراصل اس کمبخت " تذکرہ " کی ساری باتیں میرے لیے تکلیف دہ ہوئیں ۔ مسٹر فضل الدین نے یہ مقدمہ لکھ کر نظرثانی کے لیے بھیجا تھا ۔ میں نے واپس نہیں بھیجا ۔ اس لیے کہ وہ موجودہ حالت میں کتاب کو پہلا

> حصہ کر کے شائع کرنا چاہتے تھے اور میں مصر تھا کہ ایک ہی مرتبہ میں پوری کتاب شائع کر دی جائے۔ صرف اتنا ٹکڑا حد درجہ ضمنی مطولات وعدم انضباط کی وجہ سے نہایت مکروہ ہو گا۔ خیال کیا کہ مقدمے کا واپس نہ کرنا اشاعت میں روک ہو گا۔ لیکن انھوں نے بجنسہٖ چھاپ کر جلد باندھ کر یکایک ایک نسخہ بھیج دیا اور ان ساری باتوں کو وہ مزاح سمجھتے رہے۔
>
> علاوہ ڈاکٹر اقبال والے ٹکڑے کے پورا مقدمہ طرزِ تحریر واستدلال وغیرہ کے لحاظ سے بھی بالکل لغو ہے۔ لطف یہ کہ اس مرتبہ جب وہ جلسے کے موقع پر آئے اور میں نے پوچھا کہ اقبال کی نسبت آپ نے کیوں کر تبدیلی معلوم کی، تو خود میرے ہی ایک قول کا حوالہ دیا، جو کبھی کہا تھا۔ حالاں کہ میں نے جو بات کہی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اقبال پہلے آج کل کے عامتہ الناس کے تصوف میں مبتلا تھے۔ اب ان کے خیالات اس طرف سے ہٹ گئے ہیں اور دونوں مثنویوں میں جو بات ظاہر کرنی چاہتے ہیں، وہ وہی ہے جو میں ہمیشہ لکھتا رہا ہوں۔۔

یقین ہے کہ سید صاحب نے مولانا آزاد کی اس وضاحت سے حضرت علامہ کو مطلع کیا ہو گا۔ اس کے بعد ان کے کسی خط یا بیان میں یہ شکوہ یا کسی رنجش کا تذکرہ نہیں آیا۔ اس لیے یہ قیاس کرنا خلافِ عقل نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے مولانا کی وضاحت تسلیم کر لی ہو گی۔ یوں بھی تذکرہ کا مقدمہ فضل الدین کے قلم سے تھا۔ وہی اس کے ناشر تھے۔ حضرت علامہ انھیں سے شکوہ کرنا چاہتے تھے۔ فضل الدین کی تحریر کے لیے مولانا آزاد ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہو سکتے تھے اور نہ حضرت علامہ ہی نے ایسا سمجھا تھا۔ (ش)

ـــــــــ (۲۰) ـــــــــ

لاہور ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

مراجعت مع الخیر مبارک (۱)

آپ نے بڑا کام کیا ہے۔ اس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گزاری کی صورت میں مل رہا ہے اور دربارِ نبوی سے نہ معلوم کس صورت میں عطا

ہو گا۔ وزراے انگلستان کا جواب وہی ہے، جو ان حالات میں ہمیشہ دیا گیا ہے۔
"انومن لبشرین مثلنا وقومہما لنا عابدون۔ (۲)

تاہم مجھے یقین ہے کہ ہندی وفد کا سفر یورپ بڑے اہم نتائج پیدا کرے گا۔

امید ہے کہ آپ کی صحت اچھی ہو گی۔ والسلام

مخلص ۔ محمد اقبال

---

(۱) مکتوب الیہ (سلیمان) کے سفر یورپ سے واپسی پر۔

(۲) یہ قرآن پاک کی آیت اس موقع کی ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایمان لانے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ یہ دونوں عام بشر تھے اور ان کی قوم فرعون کی غلام رعایا میں تھی۔ اس آیت کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

(۲۱)

لاہور ۲۳۔ دسمبر ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

سیرت عائشہ (۱) کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سرمہ سلیمانی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا۔ خدا تعالیٰ جزاے خیر دے۔

یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ "حمیرا" والی سب احادیث موضوعات میں ہیں۔ کیا "کلمینی یا حمیرا" بھی موضوع ہے؟ کمال کا شعر کیا مزے کا ہے۔

ایں تصرف ہاے من در شعر من
کلمینی یا حمیراے من است

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱) سیرت عائشہؓ حضرت سید صاحب کی تصنیف (ش)۔

(۲۲)

لاہور ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء

مخدومی! تسلیم

ستمبر کا معارف ابھی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مسٹر ڈکنسن (۱) کے ریویو (اسرار خودی) کا ترجمہ آپ نے شائع کیا ہے ترجمہ مذکور کا ایک فقرہ یہ ہے۔

"اقبال ان تمام فلسفوں کے دشمن ہیں جو شے واجب الوجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ (صفحہ ۲۱۴)

اگر آپ کے پاس رسالہ نیشن (NATION) موجود ہو، جس میں انگریزی ریویو شائع ہوا تھا تو میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، مہربانی کر کے ایک آدھ روز کے لیے بھیج دیجیے۔ مجھے ایسا خیال ہے کہ غالباً مذکورہ بالا فقرہ اس ریویو میں نہیں ہے، یا اس کی جگہ کچھ اور ہے۔ مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ کہیں ترجمہ میں سہو تو نہیں ہو گیا ہے۔ کیا حکمائے صوفیۂ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے؟

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

مولوی عبدالماجد صاحب کا پتا معلوم نہ تھا، اس واسطے آپ کو زحمت

دی گئی (۲)۔

محمد اقبال

---

(۱) ڈکنسن، پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی

(۲) مولوی عبدالماجد صاحب اُن دنوں معارف کے شریک اڈیٹر تھے (س)۔ اسرار خودی پر ریویو کا ترجمہ انھی کے قلم سے تھا (ش)۔

ـــــــــ (۲۳) ـــــــــ

لاہور
۲۸۔ نومبر ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ کیا کتب خانۂ بانکی پور سے کتاب عاریتاً مل سکتی ہے؟ میں اس کتاب کے دیکھنے کا مدت سے خواہش مند ہوں۔ انگلستان اور یورپ میں تو کتابیں مل سکتی ہیں۔ معلوم نہیں اس لائبریری کا کیا قاعدہ ہے۔ شاید پنجاب یونیورسٹی کی معرفت لکھنے سے مل جائے۔ غالباً قلمی نسخہ ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

ـــــــــ (۲۴) ـــــــــ

لاہور
۲۰۔ اپریل ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

ایک عرصے سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔ دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

۱۔ متکلمین میں سے بعض نے علم مناظر و مرایا کی رو سے یہ ثابت کرنے

کی کوشش کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔ یہ بحث کہاں ملے گی؟ میں اس مضمون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

۲۔ مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟

ہر کجا ہنگامہ عالم بود
رحمتہ للعالمینے ہم بود

حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو رحمتہ للعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے (۱)۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لیے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے۔ شیخ اشراق تناسخ کے ایک شکل میں قائل تھے۔ ان کے اس عقیدے کی وجہ یہی تو نہ تھی (۲)۔

میں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحب فراش رہا۔ اب کچھ افاقہ ہوا ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

---

(۱) اس معنی کا ایک اثر بھی تفسیروں میں مروی ہے جو اثر ابن عباس کے نام سے ہے۔ اس اثر کی تاویل و تشریح میں مولانا قاسم صاحب کا رسالہ تحذیر الناس فی اثر ابن عباس اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی صاحب کا ایک مضمون ہے جو اس بحث میں دیکھنے کے قابل ہے۔

(۲) یہ وجہ نہیں، شیخ اشراق ایرانی فلسفہ سے متاثر تھے اور وہاں سے یہ خیال ان تک پہنچا تھا (دیکھیے شرح کلمتہ الاشراق مقالہ خامسہ)

(۲۵)

لاہور ۱۴۔ مئی ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

رویت باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا۔ اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی۔ خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن اسٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے۔ اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالے سے تقویت ہوئی، جس میں انھوں نے ابوالمعالی کے رسالے سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے۔ ابوالمعالی کا خیال آئن اسٹائن سے بہت ملتا جلتا ہے۔ گو مقدّم الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے اور موخّرالذّکر نے اسے علم ریاضی کی رو سے ثابت کر دیا ہے۔

اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے، تاہم مسلک میرا وہی ہے جو قرآن کا ہے، اور جس کو آپ نے آیت شریفہ کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔ خلافت پر جو مضامین آپ نے لکھے، نہایت قابل قدر ہیں۔ ان سب کو ایک علاحدہ رسالے کی صورت میں شائع ہونا چاہیے۔

نظم "خضرراہ" جو انجمن کے سالانہ جلسے میں پڑھی تھی، ایک علاحدہ کتاب کی صورت میں شائع ہو گئی تھی۔ میں آج دریافت کراؤں گا، اگر کوئی کاپی اس کی موجود ہے تو خدمت والا میں ارسال کرادوں گا۔ ساری نظم کا اب چھپنا تو ٹھیک نہیں اور نہ اس قدر گنجائش معارف میں ہوگی، لیکن اگر کوئی بند آپ کو پسند آجائے تو اسے چھاپ دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

(گوئٹے شاعر جرمنی)* کے "مشرقی دیوان" کے جواب میں میں نے ایک مجموعہ فارسی اشعار کا لکھا ہے۔ عنقریب شائع ہوگا (۱)۔ اس کے دیباچے میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ فارسی لٹریچر نے جرمنی لٹریچر پر کیا اثر کیا ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱) پیام مشرق کا ذکر۔

(۲۶)

لاہور

۲۹ - مئی ۱۹۲۲ء

عید مبارک باشد

مخدومی! السلام علیکم

میں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان (۱) کے حالات معارف میں شائع کیے جائیں۔ مسلم اسٹینڈرڈ، لندن نے ان کے کچھ حالات شائع کیے تھے۔ آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا۔ جزاک اللہ۔ معارف کا اڈیٹر صاحب کشف نہ ہو گا تو اور کون ہو گا۔ حال کے روسی علما کی بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیے۔

" خضرراہ " (۲) کے متعلق جو نوٹ آپ نے لکھا اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔

جوش بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے۔ مگر یہ نقص اس نظم کے لیے ضروری تھا (کم از کم میرے خیال میں)۔ جناب خضر کی پختہ کاری، ان کا تجربہ اور واقعات وحوادث عالم پر ان کی نظر، ان سب باتوں کے علاوہ ان کا انداز طبیعت جو سورہ کہف سے معلوم ہوتا ہے، اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو۔ اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیے اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوش بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے انداز طبیعت سے موافقت نہ رکھتا

تھا۔ یہ بند اب کسی اور نظم کا حصہ بن جائیں گے۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(۱) روسی مسلمان مصلح عالم (۲) اقبال کی ایک نظم

------(۲۷)------

لاہور

۵۔ جولائی ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

"پیام مشرق" کے بارے میں جو نوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے، اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے۔ نھوں نے اسے بہت پسند کیا ہے اور غالباً اس کا ترجمہ بھی کریں گے۔ وہ کھتے ہیں کہ یہ کتاب جدید اور بجنل خیالات سے مملو ہے اور گوئٹے کے دیوان غربی کا قابل تحسین جواب ہے۔ مگر میرے لیے آپ کی رائے پروفیسر کلسن کی رائے سے زیادہ قابل افتخار ہے۔

سید نجیب اشرف صاحب (۱) نے اپنے مضمون میں محمد دارال کے یفہ غیبیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے اور میں نے ایران سے نگوائی ہے۔ اگر وہ یا آپ اسے دیکھنا چاہیں تو بھیج دوں۔ ندوے والے اسے کھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات پیدا کریں گے۔

اب کے انجمن حمایت اسلام، لاہور کے سالانہ جلسے پر آپ سے ملنے توقع تھی۔ میں اسی خیال سے جلسے میں گیا کہ آپ کو اپنے یہاں مہمان نے کے لیے لیتا آؤں گا، مگر جلسے میں جا کر مایوسی ہوئی۔ انشاء اللہ پھر ئی موقع پیدا ہو گا، تفہیمات الٰہیہ (۲) چھپ گئی ہے؟

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص   محمد اقبال۔ لاہور

---

(۱) سید نجیب اشرف ندوی سابق نائب مدیر معارف (س)۔ (۲) شاہ ولی اللہ دہلوی کی مشہور تصنیف (ش)۔

(۲۸)

شملہ، نو بہار   ۳۔ اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

میں کچھ دنوں کے لیے شملہ میں قیام پذیر ہوں۔ نقرس کے دورے کی وجہ سے صحت اچھی نہیں رہتی۔

"مردان خدا خدا نہ باشند
لیکن ز خدا جدا نہ باشند"

کس کا شعر ہے، ؟ ایک امر کے لیے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ میں یہ شعر گزرا ہو۔ عام طور پر مشہور ہے۔ میں چند روز اور شملہ میں ہوں۔ اگر آپ جلد جواب دیں تو مندرجہ بالا پتے پر خط لکھیں اور کچھ دنوں کے بعد خط لکھنا ہو تو لاہور کے پتے پر تحریر فرمائیں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص   محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہو

(۲۹)

لاہور۔   ۲۲۔ اگست ۱۹۲۲۔

مخدومی! جناب مولانا السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکر گذار ہوں۔ جن

آگاہی آپ نے دے دی ہے وہ اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کے لیے کافی ہے۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زمان مطبوعہ ہے یا قلمی؟ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریتاً ملے گا۔ علیٰ ہذا القیاس؛ مولانا شاہ اسماعیل شہید کی عبقات، قاضی محب اللہ کے جوہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی؟

زمان و مکان و حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکما و صوفیہ کے نقطہ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہو گا۔

میرے لکچر آکسفوڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے۔ اردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہو گی۔

جن کتابوں کا آپ نے اپنے والانامے میں ذکر فرمایا ہے، کیا آپ کے کتب خانہ دارالمصنفین میں موجود ہیں، اگر ہوں تو میں چند روز کے لیے وہیں حاضر ہو جاؤں اور آپ کی مدد سے ان میں سے بعض کو دیکھ سکوں۔

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں ان میں سے بعض موجود ہیں، مگر سب نہیں۔ اس کے علاوہ یہاں علمی شغف رکھنے والے علما بھی موجود نہیں ہیں، جن سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جائے۔ فی الحال میں مولوی نور الحق صاحب کی مدد سے مباحث مشرقیہ (۱) دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد شرح مواقف (۲) دیکھنے کا قصد ہے، زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ جو زحمت میں کبھی آپ کو دیتا ہوں اس کے لیے معاف فرما دیا کریں۔ حضرت ابن عربی کے بحث زمان کا ملخص اگر عطا ہو جائے تو بہت

عنایت ہو گی ۔ آپ کے ملخص کی روشنی میں کتاب میں خود پڑھوں گا ۔
والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱) طبعیات والہیات میں امام رازی کی تصنیف (۲) فلسفہ و علم کلام کی مشہور کتاب ۔

ــــــــ (۳۰) ــــــــ

لاہور ۲۳ - جنوری ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

رسالہ ذخیرہ الدنیہ جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے ، آپ کی خدمت میں بھی پہنچا ہو گا ۔ اڈیٹر واقف کار معلوم ہوتا ہے اور مضامین اچھے لکھتا ہے ۔ ہر مہینے احادیث نبوی کے متعلق کچھ نہ کچھ اس میں ضرور ہوتا ہے ، گذشتہ ماہ کے پرچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ " حدیث خلیلی فی ہذہ الامتہ اویس القرنی ۔ موضوع ہے اور امام مالک کے نزدیک اویس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہیں ہے ۔ آپ حضرت اویس اور ان تمام صوفی روایات کے متعلق جو ان سے منسوب ہیں کیا خیال رکھتے ہیں ؟ اگر حضرت امام مالک کی تحقیق زیر نظر ہو (۱) تو ازراہ عنایت حوالے سے آگاہ فرمائیے گا ۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔ والسلام

مخلص محمد اقبال - لاہور

---

(۱) اصابہ ابن حجر میں ہے قال ابن عدی لیس لہ روایتہ لکن کان ینکر وجودہ اس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے ان کے وجود کی اثباتی روایتیں لکھی ہیں ۔

(۳۱)

لاہور یکم - فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ معلومات سے لبریز ہے - نہایت شکر گذار ہوں - میں نے چند نظمیں فارسی میں لکھی تھیں جو پیام مشرق کے دوسرے اڈیشن میں شامل کر دی گئیں - انھی نظموں میں سے ایک آپ کی خدمت میں ارسال کی گئی، ایک جامعہ ملیہ علی گڈھ کے لیے اور ایک علی گڈھ منتھلی کے لیے بھیجی گئی اور کسی جگہ کوئی نظم میں نے نہیں بھیجی - معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لیے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالا مال ہوتی ہے -

مولانا گرامی کی غزل میں سن چکا ہوں اس کا ایک شعر مجھے خاص طور پر پسند آیا -

ع - فقر را ترکمانیے ہم ہست

اس شعر پر میں نے تضمین بھی کی تھی، مگر پیام مشرق میں اس واسطے داخل نہ کی کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بھی پسند نہ آئی، اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں عرض کرتا ہوں -

سخنے رانده کہ جز قرشی
برسر مسند نبی نہ نشست
درس گیر از گرامی ہمہ درو
کہ برید از خود و باد پیوست
رمز ترک خلافت عربی
گفت آن مے گسار بزم الست

ماہ را بر فلک دونیم کند
نقر را تر کمانیے ہم ہست

لفظ نشانی کلاسکل فارسی میں تو آتا ہے۔ جدید فارسی کا حال مجھے معلوم نہیں۔ بہار عجم ملاحظہ فرمائیے۔ مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو اضافے انھوں نے یونانیوں کی منطق پر کیے ہیں، اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں۔

میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا، اگر آپ ازراہ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں۔ کم از کم ان کتابوں کے نام تحریر فرمائیے، جن کو پڑھنا ضروری ہے۔ جرمن زبان میں کچھ مسالہ اس کے لیے ہے اور چند کتابیں اسلامی حکما پر حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ جو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے لیے خرید لی تھیں۔ عربی و فارسی کتب سے آپ آگاہ فرمائیں۔ مگر کتابیں ایسی ہوں جو دستیاب ہو سکتی ہوں۔ ان کے ناموں پر نشان کر دیجیے گا۔ قیاس پر اعتراض غالباً سب سے پہلے (۱) امام رازی نے کیا تھا۔ امام غزالی، ابن تیمیہ اور شاید شیخ سہروردی مقتول نے بھی اس مضمون پر لکھا ہے۔ مؤخّر الذکر کی تحقیق زمانہ حال کے خیالات کے بہت قریب ہے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱) سب سے پہلے ابوالبرکات بغدادی نے کیا ہے، جن کی کتاب المعتبر حیدر آباد سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

(۳۲)

لاہور
یکم۔ مئی ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم۔

کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی؟ اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے، مفتی

عالم جان جن کا حال میں انتقال ہو گیا ہے، ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی، کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟

تکلیف دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضے کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیا جائے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور

---

(۲۳)

لاہور ۱۸۔ اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس کا نام ہے "مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماع امت نص قرآن کو منسوخ کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً مدت شیر خوارگی جو نص صریح کی رو سے دو سال ہے، کم یا زیادہ ہو سکتی ہے یا حصص شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مصنّف نے لکھا ہے کہ بعض حنفا اور معتزلیوں کے نزدیک اجماع امت یہ اختیار رکھتا ہے۔ مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟(۱)

امر دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ میں نے ابوالکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے۔ میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا، اگر جواب جلد دیا جائے۔

آپ کا مخلص محمد اقبال۔ ۴۳۔ میکلوروڈ۔ لاہور

---

(۱) اجماع سے نص قرآنی کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ امریکی مصنّف نے غلط لکھا ہے۔ آمدی الاحکام میں لکھتے ہیں:

"مذہب الجمہور ان الاجماع لاینسخ بہ خلافاً بعض المعتزلہ

(ج ۲ ص ۲۲۹)

بعض معتزلہ ایسا کہتے تھے، مگر ان کی رائے مقبول نہیں ہو سکی۔ آمدی نے حصہ شرعی کے ایک خاص مسئلے کے باب میں ایک حوالہ نقل کیا ہے، پھر اس کا جواب دے دیا ہے۔ اس لیے امریکی مصنّف کا استدلال غلط محض ہے۔

------ (۳۴) ------

لاہور ۲۷۔ اگست ۱۹۲۴ء

مخدوم محترم! السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

۱ --- آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہا نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز سمجھی ہے۔ ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہو تو اس سے آگاہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماع صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علما و مجتہدین امت بھی کر سکتے ہیں؟ اگر مسلمانوں کی تاریخ میں صحابہ کے بعد کوئی ایسی مثال ہو، تو اس سے بھی آگاہ فرمائیے۔ یعنی یہ کہ کس مسئلے میں صحابہ نے یا علمائے امت نے نص کے حکم کی تخصیص و تعمیم کر دی۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تخصیص یا تعمیم حکم سے آپ کی کیا مراد ہے۔

۲ --- دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو

اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہو گا جو ہم تک روایتاً نہیں پہنچا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے، جو صحابہ نے نص قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کون سا حکم ہے؟(۱)

یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہو گا، محض حسن ظن پر مبنی ہے یا آج کل کی قانونی اصطلاح میں "لیگل فیکشن" ہے؟ علامہ آمدی کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنّف کی تائید ہوتی ہے، گو صرف اسی حد تک کہ اجماع صحابہ نص قرآنی کے خلاف کر سکتا تھا۔ بعد کے علما ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ ان کے علم میں کوئی ناسخ حکم نہیں ہو سکتا۔

۳ ـــ اگر صحابہ کے اجماع نے کوئی حکم نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہوا ہے۔ وہ ناسخ حکم سوائے حدیث نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی ہے، جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے اور غالباً آپ کو بھی ہو گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو دوبارہ زحمت دینے پر مجبور ہوا لیکن آپ کے وسیع اخلاق پر بھروسا کر کے یہ جرأت کی ہے۔

جو کتاب امریکہ میں چھپی ہے اس کا نشان مندرجہ ذیل ہے:۔

Mohammadan Theories of finance by

Nicolas P.Aghnides

یہ کتاب کولمبیا یونیورسٹی نے شائع کی ہے۔ قیمت غالباً دس بارہ روپیہ سے زیادہ نہ ہو گی۔ اگر آپ اسے منگوانا چاہیں تو کسی تاجر کتب امریکانی کے ذریعہ منگوا سکتے ہیں۔ تھیکر اسپنک یا میکمیلن کلکتہ بھی منگوا کر دے سکتا ہے۔ ان کو مفصل پتا لکھ بھیجیے یا براہ راست سکریٹری کولمبیا یونیورسٹی، شہر

نیویارک (امریکہ) سے خط و کتابت کیجیے ۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا اور خط کا جواب جلد ملے گا ۔

مخلص محمد اقبال

میکلوڈ روڈ ۔ لاہور

---

(۱) ایسا کوئی حکم نہیں اور نہ نص قرآنی کے خلاف کوئی حکم صحابہ نے دیا ہے ۔

---

(۳۵)

لاہور ۲۹ ۔ اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

میں نے کل ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا ۔

تخصیص و تعمیم کے احکام کا جہاں تک تعلق ہے ، اس خط کے جواب کی زحمت گوارا نہ فرمائیے ۔ کیونکہ قاضی شوکانی کی ارشاد الفحول سے اس کا حال مجھے معلوم ہو گیا ہے ۔ البتہ باقی حصہ خط کا جواب ضرور عنایت فرمایئے ۔ علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں نہیں ہے ۔ انشاء اللہ سرما میں یونیورسٹی کے لیے ایک کاپی منگوانے کی کوشش کروں گا ۔ پنجاب میں ایک صاحب نے حال میں قرآن کی تفسیر شائع کی ہے جس کا نام "تذکرہ" ہے (۱) ۔ کیا آپ کی نظر سے گزری ہے ؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے ۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔ والسلام

مخلص محمد اقبال ۔ لاہور

---

(۱) عنایت اللہ مشرقی صاحب کا تذکرہ ۔

(٣٦)

لاہور ٥ - ستمبر ١٩٢٤ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے، جس کے مضمون سے بہت تسکین ہوئی۔ انجمن حمایت اسلام کا صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا، مگر میں نے بعض وجوہ سے استعفا دے دیا ہے۔ کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت اس انجمن کی اچھی نہیں ہے۔ بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں اور ان کے نزدیک انجمن ان اغراض کے حصول کا ذریعہ ہے اور بس۔ اس وقت وہی جماعت جلسے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ مگر آپ ضرور تشریف لائیے۔ یہاں کے لوگوں کو ختم نبوت کے مسئلے میں بڑی دلچسپی ہے اور آپ کی تقریر انشاء اللہ بے حد توجہ سے سنی جائے گی۔ اس کے علاوہ میں ایک مدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہوں۔ میرے ہی غریب خانے پر ٹھہریے۔ یہاں سے انجمن کا جلسہ گاہ کچھ دور نہیں۔ موٹر پر چھ منٹوں کی راہ ہے۔

جناب مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں۔ نوجوان آدمی ہیں، کیمبرج میں ریاضی کا اعلا امتحان پاس کیا۔ ہندوستان واپس آئے تو کچھ مدت کے لیے پشاور کالج کے پرنسپل رہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے۔ آج کل غالباً کسی سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ مجھے ان کی قابلیت کا حال زیادہ معلوم نہیں۔ مگر اس کتاب کے ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی ان کی نظر نہایت سطحی ہے۔ باقی تفسیر قرآن وتاریخ اسلام کے متعلق آپ مجھ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی کتاب کے متعلق یہاں عجیب وغریب افواہیں ہیں۔ زبانی عرض کروں گا۔

زمیندار میں تذکرہ کا ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے، جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے، مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعت نظر اس کو حاصل نہیں۔ مجھے تذکرہ کا علم اسی ریویو سے ہوا۔

جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے، خود مدعی نہیں ہیں۔ امت مسلمہ سے ممکن ہے کہ ان کا تعلق ہو، کیوں کہ آج کل امت مسلمہ کا سنٹر امرتسر ہے۔ بہائی فرقہ سے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے، ان کا تعلق نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یوروپین افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے۔ ان حالات میں جو اس وقت کیفیت آپ کے قلب کی ہے وہ ایک حد تک نیچرل امر ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ امت مسلمہ کے لیے از بس مفید ہے۔ دنیائے اسلام اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے۔ اس پیکار و انقلاب کا رخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا قلب قوی ہے اور ذہن ہمہ گیر۔ آپ اس حالت سے جلد نکل جائیں گے یا صوفیہ کی اصطلاح میں یوں کہیے کہ اس مقام کو جلد طے کر لیں گے۔ آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے:

قلندراں کہ براہ تو خرقہ می پوشند
زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اندوزمان و مکاں درآغوشند
درس جہاں کہ جمال تو جلوہ ہا دارد
زفرق تا بہ قدم دیدہ و دل و گوشند

بروز بزم سراپا چو پرنیاں و حریر
بروز رزم خود آگاہ ۔ وتن فراموشند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں ۔ اس جماعت کا دنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے ۔ باقی جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن (۱) تھے ، اس کے متعلق انشاء اللہ بوقت ملاقات گفتگو ہوگی ۔ ہندوستانی نیشنلزم کی انتہا یہی تھی ، جو آپ کے مشاہدے میں آگئی ۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔ یہ خط بستر پر لیٹے لیٹے لکھا ہے ۔ آج طبیعت بہت مضمحل ہے ۔ بد خطی معاف فرمایئے گا ۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱) اشارہ کانگریس کی طرف ہے ۔

---

(۳۷)

لاہور ۱۶ ۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرور کائنات (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے ، اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے ۔ اس کا حوالہ کون سی کتاب میں ملے گا ؟ کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول سے آپ نے لیا ہے (۱) ۔

دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے ، یہ ہے کہ جو جواب

وحی کی بنا پر دیا گیا، وہ تمام امت پر حجت ہے (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہو گی)، لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا، جس میں وحی کو دخل نہیں، کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے (۲)؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ہیں (۳)، یا بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں (۴)۔ جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے۔

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

---

(۱) اس کا ذکر کتب احادیث میں ہے۔ (۲) بے شبہ (۳) وحی خفی میں داخل ہیں (۴) وحی نہیں دونوں میں بہت فرق ہے۔ قرآن پاک بالفاظ وحی ہے اور بتواتر منقول ہے اور یہ حدیثیں وحی سے معناً ماخوذ ہیں اور بتواتر منقول نہیں۔

ـــــــ (۳۸) ـــــــ

لاہور ۱۸ - مارچ ۱۹۲۶ء

مخدومی! السلام علیکم

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اس بحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی، جو میری نظر سے گزری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے، مصنّف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا۔ میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا، مگر چوں کہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں، اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہو گا،

میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آرہا ہے، جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی۔ مگر چوں کہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے، اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں۔ نہ عامتہ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لیے کیا کیا نتائج پیدا کیے۔ ہندوستان کی جمعیتہ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے۔ آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں (۱)۔ اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور سے اپنے ہاتھ میں لے لیجیے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو۔ میں نے سنا ہے کہ البانیہ کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا (۲) اور ممکن ہے نماز میں بھی کوئی ترمیم کی ہو۔ ترکی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے (۳)۔ مصر میں یہ تحریک جاری ہے (۴) اور عن قریب ایران اور افغانستان میں بھی اس کا ظہور ہو گا۔ ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اسماعیلی تحریک کہیں پھر سے زندہ نہ ہو جائے۔

ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے " صوت الحی۔ شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے۔ کیوں کہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں، جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک راستے پر لگائے۔ غرض کہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علما اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے۔ ہاں دماغی اعتبار سے ان کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا

ہے۔

دیگر امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیہ توریث میں حصص بھی (۵) ازلی وابدی ہیں، یا قاعدہ توریث میں جو اصول مضمر ہے صرف وہی ناقابل تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے؟ (۶) آیہ دیّت پر بھی جو ارشادات ہیں میری سمجھ میں نہیں آئے۔ اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیے۔ اس احسان کے لیے ہمیشہ شکر گذار رہوں گا۔ بعض خیالات زمانہ حال کے فلسفیانہ نقطہ نظر کا نتیجہ ہیں۔ ان کے ادا کرنے کے لیے قدیم فارسی اسلوب بیان سے مدد نہیں ملتی۔ بعض تاثرات کے اظہار کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آتے۔ اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے، جو ضرور ہے کہ اہل زبان کو ناگوار ہو، کہ دل ودماغ اس سے مانوس نہیں ہیں۔ بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اس قدر روحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی، تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کاش چند روز کے لیے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص محمد اقبال

---

(۱) ۱۹۲۶ء میں جمعیت علمائے ہند کا اجلاس بہ مقام کلکتہ حضرت سید صاحب کی صدارت میں ہوا تھا (ش)۔

(۲) یہ خبر غلط تھی۔ (۳) ترکی میں نماز میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ (۴) یہ خبر بھی بے اصل ہے۔ (۵) بیشک۔ (۶) کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

------(۳۹)------

لاہور ۷ - اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور یہ آخری خط بھی، جو نہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا۔ عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ میں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیّت وابدیّت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں چوں کہ شرعیت احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہوجاتا ہے، اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ زمانہ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے۔ مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے۔ یونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا۔ مگر مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہوا تو انھوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔ قاعدہ میراث کے حصص کے متعلق میں نے مضمون اجتہاد میں یہی طریق اختیار کیا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصّہ ملنا عین انصاف ہے۔ مساوی حصّہ ملنے سے انصاف قائم نہیں رہتا۔ بحث کا محرک ترکی شاعر ضیابک کی بعض تحریریں تھیں، جن میں وہ اسلامی طلاق اور میراث کا ذکر کرتا ہے۔

میں نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا تھا اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ میں ان حصص میں ترمیم چاہتا ہوں، بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیّت وابدیّت پر آپ کوئی روشنی ڈالیں گے۔ میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ "جدید"، بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ، دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے "معنوی استیلاء" کا اندیشہ ہے۔ جس کا سدّباب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ، علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو۔ آپ کے خط کے آخری حصہ سے ایک اور سوال میرے دل میں پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کی کسی مقرر کردہ حد (مثلاً سرقہ کی حد) کو ترک کر دے (۱) اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کر دے اس اختیار کی بنا کون سی آیت قرآنی ہے؟ حضرت عمر نے طلاق کے متعلق جو مجلس (۲) قائم کی تھی اس کا اختیار ان کو شرعاً حاصل تھا؟ (۳) میں اس اختیار کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ زمانۂ حال کی زبان سے یوں کہیے کہ آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن ان کو ایسا اختیار دیتی تھی؟ امام ایک شخص واحد ہے، کیا جماعت بھی امام کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ ہر اسلامی ملک کے لیے اپنا امام ہو یا تمام اسلامی دنیا کے لیے ایک واحد امام ہو۔ مؤخرالذکر صورت موجودہ فرق اسلامیہ کی موجودگی میں کیوں کر بروئے کار آسکتی ہے؟ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالیے۔ لقب امام سے بہت

سی مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہوں، جس کا اشارہ آپ نے کیا ہے (۴)۔

ترجمہ جو آپ نے ارسال کیا ہے، افسوس ہے کہ وہ معارف کے قابل نہیں ہے۔ میں نے یہ مضمون ان طلبہ کے لیے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے۔ اس واسطے مختصر لکھا۔ مفصل لکھنے کے لیے نہ وقت تھا نہ ضرورت۔ غالباً ایسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، جو فلسفے کے بعض مسائل اور نظریۂ اضافیت سے آشنا نہیں ہے۔ بہر حال میں نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اردو ترجمہ معارف کے لیے کریں۔ وہ ترجمہ کریں گے پھر میں اسے دیکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ قادیانیوں نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا، مگر وہ بھی غلط تھا۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینان عطا فرمائے کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیوں سے آزادی ہم سب کے لیے از بس ضروری ہے۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱)۔ ترک کردے کا لفظ صحیح نہیں ملتوی کردے صحیح ہے۔ جیسے میدان جنگ میں اسلامی فوج دار الحرب میں یا دار الحرب سے قریب ہو تو حدود بمصالح ملتوی کر دیے جاتے ہیں۔

(۲)۔ میری عبارت کے سمجھنے میں یا اقبال نے خود اپنے مطلب کی تعبیر میں غلطی کی ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ایک مجلس یعنی ایک ہی نشست میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے اس کو تین قرار دیا بات یہ تھی۔ (۳)۔ حنفیہ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم معلوم تھا، جس کی اشاعت عہد اول میں نہیں ہو سکی تھی، اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں کی۔ حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے

تعزیراً ایسا کیا تھا اور امام کو تعزیراً ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

(۴) ۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ مشاکل فقہیہ میں ترجیح اور بعض میں التوا یا اجرائے تعزیر مفتیوں کا نہیں بلکہ امام کا حق ہے۔

------ (۴۰) ------

لاہور ۲۴ - اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ اپنے نوازش نامہ کی طوالت کے لیے عذر خواہی کرتے ہیں، مگر میرے لیے یہ طویل خط باعث خیر و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں نے اسے کئی دفعہ پڑھا اور گذشتہ رات چودھری غلام رسول مہر سے بھی پڑھوا کر سنا۔ اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی، جس قدر آپ کی ہے، تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا۔ فی الحال انشاء اللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔

مضمون اجتہاد کی تکمیل کے بعد حافظ ابن قیم کی کتاب طرق الحکمیہ پر اور اس کے بعد المقابلات پر جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے، لکھنے کا ارادہ ہے۔ شرعیت احادیث کے متعلق جو کھٹک میرے دل میں ہے (۱) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث سرے سے بیکار ہیں۔ ان میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی و تعالی کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی۔ مثلاً ملکیت شاملات دہ کے متعلق المرعی للہ و رسولہ (بخاری)۔ اس حدیث کا ذکر میں نے مضمون اجتہاد میں بھی کیا ہے۔ بہرحال چند امور اور دریافت طلب ہیں۔ اگرچہ آپ اس وقت سفر حجاز کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے، تاہم مجھے یقین ہے کہ آپ ازراہ

عنایت میرے سوالات پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے (۲) ۔

آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی دو حیثیتیں ہیں، نبوت اور امامت ۔ نبوت میں احکام قرآنی اور آیات قرآنی سے حضورؐ کے استنباط داخل ہیں ۔ اجتہاد کی بنا محض عقل بشری اور تجربہ و مشاہدہ پر ہے یا یہ بھی وحی میں داخل ہے ؟ اگر وحی میں داخل ہے تو اس پر آپ کیا دلیل قائم کرتے ہیں ؟ (۳) میں خود اس کے لیے دلیل رکھتا ہوں ، مگر میں اس پر اعتماد نہیں کرتا اور آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔ وحی غیر متلو کی تعریف نفسیاتی اعتبار سے کیا ہے ؟ کیا وحی متلو اور غیر متلو کے امتیاز کا پتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چلتا ہے یا یہ اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں ؟ (۴)

۱ --- حضور نے ان کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا ۔ یہ مشورہ نبوت کے تحت میں آئے گا یا امامت کے تحت میں ؟ (۵)

۲ --- فقہا کے نزدیک خاوند کو جو حق اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہے ، وہ بیوی کو یا اس کے کسی خویش یا کسی اور آدمی کے حوالے کیا جا سکتا ہے ۔ اس مسئلہ کی بنا کوئی آیت قرآنی ہے یا حدیث ؟ (۶)

۳ --- امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہو تو قیاس اس بچہ کے ولد الحرام ہونے پر نہیں کیا جا سکتا ۔ اس مسئلے کی اساس (۷) کیا ہے ؟ یہ اصول محض ایک قاعدہ شہادت ہے یا جزو قانون ہے ؟ اس سوال کے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروجہ ایکٹ شہادت کی رو سے وہ تمام قواعد شہادت جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروج تھے ، منسوخ کیے گئے ۔ ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورہ بالا اصول کو قاعدہ شہادت قرار دے کر منسوخ کر دیا ۔ نتیجہ اس کا بعض مقامات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان بچہ جو فقہ اسلامی کی رو سے ولد الحلال ہے ایکٹ شہادت

کی رو سے ولد الحرام قرار دیا جاتا ہے۔ ایکٹ شہادت میں اور بھی باتیں ہیں، جن کا ذکر اس مضمون میں کرنے کا ارادہ ہے، جو میں حافظ ابن قیم کے فلسفہ شہادت پر لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ اس تکلیف دہی کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرلے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا، فرانسیسی خوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

---

(۱)۔ میں نے ان کو اس کا تسلی بخش جواب لکھ کر بھیجا تھا " س۔

(۲)۔ ان تمام امور کے جواب سیرۃ النبیؐ جلد چہارم کے مقدمے میں مذکور ہیں۔ مختصراً جواب یہاں بھی حوالہ قلم ہیں۔

(۳)۔ اجتہاد نبوی کی بنیاد عقل بشری اور تجربہ و مشاہدہ پر نہیں بلکہ عقل نبوی کا نتیجہ ہے، جو عقل بشری سے مافوق ہے اور جس میں عقل بشری و تجربہ و مشاہدہ کو دخل نہیں اور نبی کی ہر غلطی کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے۔ پس اگر اجتہاد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نتائج بھی غلط ہوتے تو اللہ تعالی اصلاح فرماتا، جیسا کہ چار پانچ مقام پر اصلاح فرمائی ہے۔

پس جب بقیہ اجتہادات نبوی کی اصلاح نہیں فرمائی تو تقریراً وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح قرار دیے گئے، اور اس لیے وہ واجب القبول ہیں۔

(۴)۔ اصطلاح بعد میں پیدا ہوتی ہے، " س۔

(۵) ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض روایات کے رو سے خود بھی اللہ تعالیٰ نے اس طریقے کی تعلیم دی تھی اور دوسرے صحابہ نے بھی خواب میں دیکھا تھا ۔ البتہ اس باب میں صحابہ سے مشورہ کرنا باب امامت سے تھا نہ کہ نبوت سے کہ احکام نبوت میں مشورہ نہیں ۔

(۶) تصریح تو احادیث میں ہے مگر قرآن پاک سے استنباط ممکن ہے ۔

(۷) ۔ اس کی اساس ایک تو حضرت عائشہ کا قول ہے جو دار قطنی میں ہے ، دوسرے طبی تجربہ ۔ امام شافعی کے نزدیک اکثر مدت حمل چار برس ہے (ہدایہ)

------(۴۱)------

لاہور
۷ ۔ مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی! السلام علیکم

شمس بازغہ یا صدرا (۱) میں جہاں زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے ہیں ۔ ان میں ایک قول یہ ہے کہ زمان خدا ہے ، بخاری میں ایک حدیث بھی اس مضمون کی ہے **لاتسبو الدھر الخ** کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے ، اگر ایسا ہو تو یہ بحث کہاں ملے گی ؟ (۲)

قرون وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ بن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لیے کوئی مستقبل نہیں ہے ، بلکہ وہ زمان کو لحظہ بلحظہ پیدا کرتا ہے ۔ ابن میمون قرطبہ میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں مرا ۔ غالباً بارھویں صدی کے آخر میں ۔ اس نے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور تمام عمر مسلمانوں ہی کی ملازمت کرتا رہا ۔ متکلمین کے خیالات پر اس نے جرح قدح بھی خوب کی ہے ۔ میرا گمان ہے کہ ابن میمون کا مذکورہ بالا مذہب بھی ضرور کسی نہ کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے ۔ اگر آپ کے علم میں یہ بات ہو تو مہربانی کر کے مطلع فرمایئے ۔ میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان یہ

ہے:

"زمان کی حقیقت فلسفہ اسلام کی تاریخ میں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا، اور اس خط کا جواب جہاں تک ہو جلد دیجیے گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور

---

(۱) "شمس بازغہ۔ ملا محمود جون پوری کی مشہور تصنیف اور صدرا، محمد بن ابراہیم شیرازی ملقب بہ صدر الدین، مشہور بہ ملا صدرا شیرازی (ف ۱۶۴۰ء) کی مشہور تصنیف۔ دونوں تصانیف فلسفے میں ہیں اور نصاب درس نظامی میں شامل ہیں (ش)۔

(۲)۔ اقبال مرحوم کو اس بحث سے بڑی دل چسپی تھی۔ میں نے اس پر لاہور میں ان کی ایک تقریر بھی سنی تھی۔ اخیر زمانے میں میرے دل میں علامہ ابن قیم کی تصانیف سے ایک حقیقت فہم میں آئی، جس سے بڑی خوشی ہوئی۔ مگر افسوس کہ اس زمانے میں مرحوم بیمار تھے، انتظار تھا کہ وہ تندرست ہوں تو ان کو سناؤں مگر افسوس ع

جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اس کو سنتے تو ضرور خوش ہوتے" س۔

(۴۲)

لاہور ۱۸۔ مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ایک زحمت دیتا ہوں، معاف فرمایئے گا۔ "مباحث مشرقیہ۔ لاہور میں دستیاب نہیں ہو سکتی، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلمبند فرما کر مجھے ارسال فرما دیں۔ میں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا صرف خلاصہ چاہتا ہوں، جس کے لکھنے میں غالباً آپ کا بہت سا وقت

ضائع نہ ہو گا۔

بزم اغیار کی رونق ضروری تھی۔ اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس! اہل خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں، جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

ــــــــ(۴۳)ــــــــ

لاہور ۲۵۔ اپریل ۱۹۲۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ لکچروں کا اردو ترجمہ ان شاء اللہ کیا جائے گا(۱)۔ اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کروں گا۔

سر شفیع کی خدمت میں عرض کروں گا(۲)۔ ذوالفقار علی خان ۴۔ مئی کو ولایت جا رہے ہیں۔ ان سے کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کی مالی حالت کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ بہتر ہو کہ آپ سر عبدالقادر سے اس کار خیر کے لیے چندہ طلب فرمائیے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱)۔ وہ لکچر جو مدراس میں میرے "خطبات مدراس" کے بعد اقبال مرحوم نے دیے تھے جو انگریزی میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۲)۔ شاید ندوہ کی امداد کی درخواست کی ہو۔

ـــــ (۴۴) ـــــ

لاہور ۲۔ ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی! السلام علیکم

ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گزرا ہو گا۔ جس باب میں مولانا شبلی نے (شاہ ولی اللہ دہلوی کا) ایک فقرہ شعائر و ارتفاقات کے متعلق نقل کیا ہے، اسی باب میں ایک اور فقرہ نظر سے گزرا، جو پہلے نظر سے نہ گزرا تھا:

"وشعائر الدین امر ظاهر تخصیص به ویمتاز صاحبه به فی سائر الادیان کالختان وتعظیم المساجد والاذان والجمعة والجماعات۔

یہ شاہ صاحب کی اپنی تشریح ہے۔ جناب کا ارشاد اس بارے میں کیا ہے؟ علی ہذا القیاس ارتفاقات میں شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق تمام تدابیر جو سوشل اعتبار سے نافع ہوں داخل ہیں؟ مثلاً: نکاح وطلاق کے احکام وغیرہ۔ اگر شاہ صاحب کی عبارت کی یہ تشریح صحیح ہے، تو حیرت انگیز ہے۔ اگر ان معاملات میں تھوڑی سی ڈھیل بھی دی جائے تو سوسائٹی کا کوئی نظام نہ رہے گا۔ ہر ایک ملک کے مسلمان اپنے اپنے دستور ومراسم کی پابندی کریں گے۔

ستمبر کے معارف کا شدت کے ساتھ منتظر ہوں۔ جلد بھجوائیے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

------(۴۵)------

لاہور   ۲۲- ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی! السلام علیکم

الکلام (یعنی کلام جدید) کے ص ۱۴- ۱۱۳ پر مولانا شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ (ص ۱۲۳) کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے- جس کے مفہوم کا خلاصہ انھوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ہے- اس عربی فقرہ کے آخری حصے کا ترجمہ یہ ہے (۱)-

"اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعار تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کی عادات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے- اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے"-

مہربانی کر کے یہ فرمایئے کہ مندرجہ بالا فقرے میں لفظ شعار سے کیا مراد ہے اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں؟ اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے- جواب کا سخت انتظار رہے گا- والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱)- مولانا شبلی مرحوم نے شاہ (ولی اللہ) صاحب (دہلوی) کے الفاظ کے جو وسیع معنی قرار دیے ہیں، وہ صحیح نہیں-

------(۴۶)------

لاہور   ۲۸- ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی!

والا نامہ ملا، جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں- لفظ شعار کے معنی

کے متعلق پورا اطمینان آپ کی تحریر سے نہیں ہوا۔ کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے جو آپ نے کی ہے؟ دیگر عرض یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اسی فقرے میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے۔ مولانا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے۔ اردو ترجمہ سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے۔ کل سیالکوٹ میں حجۃ اللہ البالغہ مطالعے سے گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں۔ ان چار قسموں میں تمدنی امور مثلاً نکاح وطلاق وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ کیا شاہ صاحب کے خیال میں ان معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جانی چاہیے؟ میرا مقصد محض شاہ صاحب کا مطلب سمجھنا ہے۔ مہربانی کرکے اسے واضح فرمائیے۔ سنت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا اور اس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اٹھاؤں گا۔ اس خط کا جواب جلد ارسال فرمائیے۔

مخلص محمد اقبال

------ (۴۷) ------

لاہور
۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدومی! السلام علیکم

چند ضروری امور دریافت طلب ہیں جن کے لیے زحمت دے رہا ہوں۔ ازراہ عنایت معاف فرمائیے۔

۱ --- حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقت زمان کی بحث کس کس جگہ ہے؟ حوالے مطلوب ہیں۔

۲ --- حضرات صوفیہ میں اگر کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث

کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمائیے۔

۳ --- متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقت زمان یا آن سیال پر مختصر اور مدلل بحث کون سی کتاب میں ملے گی؟

امام رازی کی مباحث مشرقیہ میں آج کل دیکھ رہا ہوں۔

۴ --- ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں۔ اور ملا محمود جون پوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے؟ ان کے اسماء سے مطلع فرمائیے۔ اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی۔

امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

------ (۴۸) ------

لاہور

۴۔ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

رسالہ "الاتقان فی ماہیتہ الزمان۔ آج مل گیا۔ میں نے اس کے لیے ایک دوست کو ٹونک لکھا تھا۔ آج مولوی برکات احمد کو ایک اور رسالے کے لیے جو اردو میں، لکھا ہے۔ ہندی فلسفی ساکن پھلواری مصنف "تسویلات فلسفہ" کا نام کیا ہے؟ اور کتاب مذکور طبع ہوئی یا نہیں۔ اگر نہیں طبع ہوئی تو قلمی نسخہ اس کا کہاں سے دستیاب ہو گا؟ مہربانی کر کے جلد مطلع فرمائیں۔

شرح مواقف دیکھ رہا ہوں، فتوحات کا مطالعہ آپ کا ملخص آنے کے بعد کروں گا۔ خدا کرے آپ کی صحت اچھی رہے اور آپ اس طرف جلد

توجہ کر سکیں ۔ نورالاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو رام پور میں ہے، کس زبان میں ہے ۔ قلمی ہے یا مطبوعہ، نورالاسلام کا زمانہ کون سا ہے؟

اس تصدیع کے لیے معافی کا خواستگار ہوں ۔

علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے؟

دارالمصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہیے ۔ اس کی سخت ضرورت ہے ۔ عام طور پر یورپ میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں ہیں ۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

------(۴۹)------

لاہور ۱۰۔ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا! السلام علیکم

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں ۔ اس کے جواب کا انتظار ہے ۔ اس عریضے میں یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ ملا محب اللہ بہاری کی کتاب جوہرالفرد کہاں سے ملے گی؟

شاہ افغانستان آپ سے تعلیم مذہبی کے بارے میں مشورہ چاہتے ہیں ۔ شاید اسی ماہ ستمبر میں آپ کو کابل سے دعوت آئے ۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ جانے کے لیے تیار ہوں گے ۔ ممکن ہے کہ سید راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ہمراہ ہوں ۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔ جواب کا انتظار ہے ۔

محمد اقبال لاہور

لاہور ۱۷۔ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے، جو ہم نے قونصل جنرل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ سید راس مسعود صاحب کی طرف سے ابھی تک جواب موصول نہیں ہوا ہے۔

حضرت ابن عربی کے خیالات و افکار کھینچنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا، اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ مولوی سید برکات احمد صاحب کا رسالہ میں نے دیکھا ہے۔ انشاء اللہ اسے سبقاً سبقاً پڑھوں گا۔ مسئلہ آن کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراضات ہمارے متکلمین نے کیے ہیں، وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود ان کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ مولوی سید برکات احمد مرحوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے۔ ممکن ہے حضرت ابن عربی اس پر روشنی ڈال سکیں۔

جمعیتہ العلماء (۱) کی صدارت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، بالکل صحیح ہے۔ مولوی مظہر الدین صاحب نے میرا حوالہ دینے پر اصرار کیا۔ اس واسطے میں نے ان کو اجازت دے دی کہ آپ کو صدارت کے لیے خط لکھیں تو میرا حوالہ دے دیں۔ میں خود مسلمانوں کے انتشار سے بے حد درد مند ہوں اور گذشتہ چار پانچ سال کے تجربے نے مجھے سخت افسردہ کر دیا ہے۔ آپ کا طرز عمل اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔

مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے۔ میں نے آغا

خان کو باوجود ان کی تمام کمزوریوں کے ان سب سے بہتر مسلمان پایا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدت سے ان کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم آرہا ہے ۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے التماس دعا کے ۔ والسلام

مخلص   محمد اقبال

---

(۱) جمعیتہ العلماء ہند کے مقابلے میں لکھنو اور کان پور کے بعض حضرات نے دو تین سال سے ایک نئی جمعیتہ العلماء قائم کرلی تھی ۔ مظہر الدین شیر کوٹی بہت سرگرم تھے ۔ یہ لوگ سید صاحب سے اس کے جلسے کی صدارت کروانا چاہتے تھے اور حضرت علامہ اقبال سے سفارش کروائی تھی (ش) ۔

(۵۱)

لاہور   ۵ ۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا!   السلام علیکم

دعوت نامہ جو قونصل صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوا ہے ، ارسال خدمت ہے ۔ تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کروں گا ۔ کیوں کہ پاسپورٹ لینے کے لیے بھی کچھ دن لگیں گے ۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔

آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لیے خط لکھ رہا ہوں ۔ ان کا جواب آنے پر پھر خط لکھوں گا ۔ آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست کر دیں ۔ اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہ افغان نے تعلیمی امور میں مشورہ کرنے کے لیے طلب فرمایا ہے ، تو امید ہے کہ پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے ۔ والسلام

مخلص   محمد اقبال ۔ لاہور

(۵۲)

لاہور ۹- اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولانا! السلام علیکم

میں نے آپ کی خدمت میں دعوت نامہ افغانستان ارسال کیا تھا، مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ امید ہے آپ نے پاسپورٹ کے لیے اپنے ضلع میں درخواست کر دی ہوگی۔ اگر کوئی ملازم آپ کے ہمراہ جائے گا تو اس کے لیے علاحدہ درخواست پاسپورٹ کے لیے دینی ہوگی۔ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو مہربانی کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمایئے۔ پاسپورٹ کی درخواست ایک خاص فارم پر دی جاتی ہے۔ ساتھ فوٹو بھی دینا پڑتا ہے۔ اگر کوئی اور امر دریافت طلب ہو تو "قونصل جنرل افغانستان، ۳- ہیلی روڈ، نیو دہلی۔ سے دریافت کریں۔ آپ کے مصارف افغانستان گورنمنٹ ادا کرے گی۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔ جواب جلد دیں۔ والسلام

مخلص محمد اقبال- لاہور

(۵۳)

لاہور ۱۱- اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولانا! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں نے آپ کو دعوت نامہ ۹- اکتوبر سے پہلے بھیج دیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ نے اتنے دنوں بعد پاسپورٹ کے لیے درخواست دی۔ بہرحال قونصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ جلد مل جائے۔ مجھے امید ہے کہ جلد مل

جائے گا۔ اس سے پہلے میں ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہوں کہ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو فوراً مجھے تار دیں، تاکہ تاریخ روانگی مقرر کی جائے۔ سید راس مسعود کا خط کل مجھے ملا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۔ اکتوبر کو پشاور سے چلنا چاہیے۔ میں نے ان کو جواب میں لکھا ہے تاریخ روانگی (پشاور سے) کی تعین پاسپورٹ ملنے پر ہونی چاہیے۔ یہ بھی خیال ہے کہ اگر ملازم ساتھ لے جانا چاہیں تو اس کے لیے پاسپورٹ علاحدہ لینا ہوگا۔ اکتوبر میں موسم خوشگوار ہوتا ہے، راتیں عام طور پر ایسی ہوتی ہیں جیسی شملہ میں۔ البتہ نومبر میں سردی کسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ میرے خیال میں سردی کے موسم کے لیے موزوں بستر اور پہننے کے لیے کپڑے لے جانا چاہیے۔ قونصل صاحب نے بھی یہی لکھا ہے۔ قونصل خانے کا ایک آدمی ہمارے ساتھ جائے گا۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔ وہاں آٹھ دس روز سے زیادہ ٹھہرنے کی شاید ضرورت نہ ہوگی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

-----(۵۴)-----

لاہور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

سید راس مسعود اصرار کرتے ہیں کہ لاہور سے ۲۰۔ اکتوبر کی صبح پشاور کی طرف روانہ ہوں۔ شام کو پشاور پہنچ جائیں گے۔ رات بھر وہاں ٹھہر کر ۲۱ کی صبح روانۂ کابل ہوں گے۔ آپ ایسا انتظام کریں کہ یا تو ۲۰ تاریخ کی صبح کو لاہور پہنچیں یا ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں۔ امید کہ آپ کو پاسپورٹ

اس سے پہلے مل جائے گا۔ میرا پاسپورٹ کل مل جانے کی توقع ہے۔ البتہ ملازم کو دو تین روز بعد ملے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہو گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہم ۲۱ کی صبح کو پشاور میں مل جائیں۔ اگر ہم پہلے پہنچیں گے تو آپ کے لیے آدمی اسٹیشن پر بھجوا دیا جائے گا۔ اس کارڈ کے جواب میں فوراً خط لکھیے تاکہ آپ کے انتظامات کا حال معلوم ہو جائے۔

مخلص محمد اقبال

ـــــــ(۵۵)ـــــــ

لاہور ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولانا! السلام علیکم

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور ایک ملفوف خط بھی لکھ چکا ہوں۔ پاسپورٹ ۱۹۔ اکتوبر سے پہلے ہم سب کو مل جائیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰۔ اکتوبر کو لاہور سے صبح کی ٹرین میں پشاور کو روانہ ہوں اور ۲۱ کی صبح کو کابل روانہ ہوں۔ جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر میں وہاں سردی ہو جاتی ہے۔ سید راس مسعود ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔ آپ بھی مہربانی کر کے ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیے یا ۲۰ کی صبح کو ایسے وقت پہنچیے کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ کی صبح کو میل ٹرین میں سوار ہو سکیں۔ قونصل خانے سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا، وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہو گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جب ملاقات ہو گی تو مفصل عرض کروں گا۔ اس انتظام کے لیے قونصل جنرل صاحب کو اطلاع دے دی

ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

ـــــــ(۵۶)ـــــــ

لاہور ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مخدومی!

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ میں اس سے پہلے ایک ملفوف خط ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ آپ ۱۹۔ اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچ جائیے۔ یہاں سے ۲۰۔ اکتوبر کی صبح پشاور روانہ ہو جائیں گے۔ سید راس مسعود بھی ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچیں گے۔ قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دے دیں کہ آپ ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ کو مل جائے تو مجھے تار دینے کی ضرورت نہیں قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کریں اور لاہور ۱۹ کی شام کو پہنچ جائیے۔ والسلام

محمد اقبال

ـــــــ(۵۷)ـــــــ

لاہور ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مکرم! السلام علیکم

آپ کا تار کل ملا، جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷۔ اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا۔ ممکن ہے ۱۸ یا ۱۹ تک مل جائے۔ ہم یعنی سید راس مسعود اور میں ۲۰ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ تمام انتظامات

مکمل ہو چکے ہیں۔ اگر آپ ۲۱ کی صبح تک بھی پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے۔ ڈین ہوٹل میں رات بسر ہوگی۔ یہ ہوٹل پشاور چھاؤنی کے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ آپ وہیں کے پتے پر ہم کو تار دے دیں۔ ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے اور اسٹیشن پر آپ کے لیے آدمی بھیج دیا جائے گا۔ اگر آپ کل شام یا ۲۰ کی صبح کو لاہور پہنچ سکیں تو ٹکٹ صرف لاہور ہی تک کا خرید کریں۔ جیسا کہ میں پہلے دے چکا ہوں اگر یہ ممکن نہ ہو تو ٹکٹ پشاور چھاؤنی اسٹیشن تک کا خرید کریں۔ آپ کے تمام مصارف ادا کئے جائیں گے۔ امید کہ آپ بخیریت ہوں گے اور آپ کی معیت سے ہم سب مستفیض ہوں گے۔

والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

------(۵۸)------

لاہور

۱۸۔ نومبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب قبلہ مولانا! السلام علیکم

معارف سے معلوم ہوا کہ آپ مع الخیر وطن پہنچ گئے۔

یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاد دہانی کے لیے لکھتا ہوں۔ مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی۔ اس واسطے التماس ہے کہ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہوا۔ خدا تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ انشاء اللہ افغانستان میں امن و امان رہے گا۔ میں نے شاہ ظاہر کو تار دے دیا تھا، جس کا جواب پرسوں موصول ہوا۔ صدر اعظم صاحب کا تار بھی آیا تھا۔

امید کہ آپ نے بھی ان کو خیریت کا تار دیا ہو گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمد اقبال

------(۵۹)------

لاہور ۹۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی! السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔

مولوی نور الاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان (۱) کی نقل رام پور کتب خانہ سے آگئی ہے۔ اب آپ کے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے۔ امید ہے کہ آپ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے شکر گذاری کا موقع دیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱) اس رسالے کا نام اسی طرح ہے: رسالہ فی تحقیق ہیئۃ مکان۔ تعداد صفحات: ۲۴، تاریخ تحریر: ۲۹۔ ربیع الثانی ۱۲۴۷ھ

------(۶۰)------

لاہور ۱۵۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ تخمیس کے لیے نہایت شکر گذار ہوں۔ مگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال یا سوال پیدا ہوا ہے جس

کا پوچھنا ضروری ہے۔

اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے ؟ جس طرح زمان دہر کا ایک طرح سے عکس ہے ، اسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیے ۔ یا یوں کہیے کہ زمان و مکان ، دونوں کی حقیقت اصلیہ دہر ہی ہے ۔ کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے ؟ اس کا جواب شاید فتوحات ہی میں ملے ۔ مہربانی کر کے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمائیے اور دیکھیے کہ کیا انھوں نے مکان پر بھی کچھ بحث کی ہے ، اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے؟ اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں۔

میں نے زمان و مکان کے متعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی کے مسلمانوں نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے اور اس غور و فکر کی تاریخ لکھی جا سکتی ہے ۔ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں ۔ میرے خیال میں آپ کو چاہیے کہ اس کام کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد میں شمار کریں۔

جواب کا انتظار رہے گا ۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

ـــــــ (٦١) ـــــــ

لاہور

١٥ ۔ جنوری ١٩٣٤ء

مخدومی ! السلام علیکم

دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے ۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور

اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے ۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے ۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے ۔ تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزع میں ہے ۔ غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے ۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے ۔ اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے ۔ اور اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو، تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے ۔ والسلام

محمد اقبال

------(۶۲)------

لاہور　　۲۴ ۔ جنوری ۱۹۳۴ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا ۔ غالباً آپ کی عدیم الفرصتی جواب سے مانع رہی ۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے ۔

۱ --- کل میں آپ کے پرانے خطوط پڑھ رہا تھا جو میرے پاس محفوظ ہیں ۔ ان میں سے ایک خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اسے معلوم ہو کہ بعض شرعی اجازتوں میں فساد کا امکان ہے تو، ان اجازتوں کو منسوخ کر دے ۔ عارضی طور پر یا مستقل طور پر، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسوخ کر سکتا ہے ؟ (۱) اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہیں ہے حافظہ سے لکھ رہا ہوں کیا یہ بات صحیح ہے ؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہاں سے ملے گا ؟ مہربانی کر کے اس کتاب کا پتا دیجیے ، جس میں یہ مسئلہ درج ہے ۔

۲ --- کیا یہ صحیح ہے کہ متعہ (نکاح موقت) حضرت عمرؓ (کی خلافت) سے پہلے مسلمانوں میں مروج تھا اور حضرت عمرؓ نے اسے منسوخ کر دیا۔ نیز زمانہ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے؟

سفر نامہ کابل بہت دل چسپ ہے۔ ممکن ہے آپ کو ایک دفعہ وہاں پھر جانا پڑے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص   محمد اقبال

---

(۱)۔ ڈاکٹر صاحب کے حافظے نے غلطی کی ہے، ملتوی کی جگہ منسوخ لکھ گئے ہیں۔

------ (۶۳) ------

لاہور
یکم فروری ۱۹۳۴ء

جناب مولانا!   السلام علیکم

۱ --- آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ میں نے آپ کا پہلا خط پھر دیکھا ہے آپ نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے، مگر میں ان معاملات کی فہرست چاہتا ہوں جن کے متعلق رائے قائم کرنا امام کے سپرد ہے۔ جرائم میں ایسے جرم میں جن کی تعزیر غالباً قرآن شریف میں مقرر ہے ان کے متعلق امام کیوں کر رائے دے سکتا ہے؟

۲ --- آپ فرماتے ہیں کہ تواتر عمل کی ایک مثال نماز ہے۔ مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں جو اختلاف صورت نماز میں ہے، وہ کیوں کر ہوا؟

۳ --- ایک سوال (۱) اور پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں۔

(۱)   احکام منصوصہ میں توسیع اختیارات امام کے اصول

کیا ہیں ؟ اگر امام توسیع کر سکتا ہے تو ان کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے ۔ اس کی کوئی تاریخی مثال[۱] ہو تو واضح فرمائیے ۔

(۲) زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے ؟ اسلامی فقہا کا مذہب اس بارے میں کیا ہے ؟ قاضی مبارک میں شاید اس کے متعلق کوئی فتوی ہے ۔ وہ فتوی کیا ہے ؟ اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے ، تو یہ بات شرع اسلام کے موافق ہوگی یا مخالف ؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماع معاشرت سے گہرا تعلق ہے کیا یہ بات بھی رائے امام کے سپرد ہوگی ؟

(۳) صدقات کی کتنی قسمیں اسلام میں ہیں ؟ صدقہ اور خیرات میں کیا فرق ہے ؟

تکلیف تو آپ کو ان سوالوں کے جواب میں ہوگی مگر مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس زحمت کے لیے معاف فرمائیں گے ۔

تعلیمی مشورت کے لیے جو جلسے آپ کے آنے سے پہلے ہوئے ، ان کے متعلق کچھ نوٹ سید راس مسعود نے لیے تھے ۔ ان کی خدمت میں ہم دونوں کے علاوہ سردار فیض محمد خان وزیر خارجہ اور افغانی تعلیمی بورڈ کے ممبر اور غالباً ترکی کے تعلیمی مشیر شامل تھے ۔ سرور خان کے خطوط بھی آئے تھے ۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱) یہ ایک سوال کہاں تین بنیادی اور کئی ضمنی سوالات ہیں (ش) ۔

------(۶۴)------

لاہور ۶ - ستمبر ۱۹۳۴ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

یہ خط اعظم گڑھ کے پتے پر لکھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ آپ ابھی علی گڑھ میں ہیں یا وہاں سے واپس آگئے۔ راغب اصفہانی نے مفردات میں لفظ نبی کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہیں، خبر دینے والا اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا۔ اول الذکر نبی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزہ کے اس ضمن میں راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ یعنی حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میں نبی بغیر ہمزہ کے ہوں۔ یہ (حدیث) صحاح ستّہ میں ہے یا نہیں؟ (۱)

۱ --- قرآن شریف میں جن انبیاء کا ذکر ہے، ان میں کون سے نبی باہمزہ ہیں اور کون سے بغیر ہمزہ؟ یا سب کے سب بغیر ہمزہ کے ہیں؟ (۲)

۲ --- لفظ نار کا روٹ عربی زبان میں کیا ہے؟ (۳)

۳ --- لفظ نجات کا روٹ کیا ہے اور روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہیں؟ (۴)۔ غالباً راغب ہی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی بلندی کے ہیں؟

نمبر ایک میں جو سوال میں نے لکھا ہے وہ بڑا اہم ہے، کیوں کہ اگر قرآنی انبیاء یا حضور رسالت مآبؐ نبی بغیر ہمزہ ہیں تو لفظ نبی کا انگریزی ترجمہ (Prophet) جس کے معنی خبر دینے والا کے ہیں، کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟

امید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔

آپ کا سفرنامہ افغانستان خوب ہے! لوگوں نے بہت پسند کیا۔

ہاں! ایک ضروری بات یاد آگئی۔ یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی

اللہ کی تفہیمات الہیہ کی دوسری جلد ہے جو شاہ عاشق حسین (۵) (شاگرد شاہ ولی اللہ) کی لکھی ہوئی ہے۔ کیا ندوہ کے کتب خانے میں یہ کتاب موجود ہے؟ مولوی نواب صدر یار جنگ کے یہاں جو نسخہ ہے وہ پہلی جلد ہے یا دوسری یا دونوں؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف میں اس کے اردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱)۔ یہ حدیث صحاح میں نہیں۔ آپ نے اس لیے نبی کہنے سے منع فرمایا کہ لغت کی رو سے منصب دار نبوت کے لیے نبیؐ لفظ ہے نبیؐ نہیں۔

(۲)۔ یقیناً سب کے سب نبی بلا ہمزہ کے ہیں۔

(۳)۔ ن، و، ر۔ اس روٹ کے اصلی معنی چمک کے معلوم ہوتے ہیں۔ نور، روشنی۔ نار، آگ نورہ چونا۔ نورہ کلی۔ سب اسی ایک مفہوم کے مظاہر ہیں۔

(۴)۔ ن، ج، و۔ معنی بلندی کے، یعنی جو سیلاب کے وقت پناہ کی جگہ بن سکے۔ اسی سے نجوہ ہے، اسی سے موجودہ نجات ہے۔

(۵)۔ صحیح نام محمد عاشق ہے، عاشق حسین نہیں (ش)۔

---

(۶۵)

بھوپال، شیش محل ۱۹۔ جولائی ۱۹۳۵ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب! السلام علیکم

میں گلے کے برقی علاج کے لیے کچھ مدت کے لیے بھوپال میں مقیم ہوں۔ اس خط کا جواب۔ یہیں مذکورہ بالا پتے پر عنایت فرمائیے۔

۱ --- کیا فقہ اسلامی کی رو سے توہین رسول قابل تعزیر جرم ہے؟ (۱) اگر ہے تو اس کی تعزیر کیا ہے؟ (۲)۔

۲ --- اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدعی ہے یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآبؐ پر جزوی فضیلت حاصل ہے اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ تو کیا ایسا شخص توہین رسول کے جرم کا مرتکب ہے؟ بالفاظ دیگر اگر توہین رسول جرم قابل تعزیر ہے تو عقیدہ مذکور توہین رسول کی حد میں آتا ہے یا نہیں؟ (۳)۔

۳ --- اگر توہین رسول کی مثالیں کتب فقہ میں مذکور ہوں تو مہربانی فرما کر ان میں سے چند تحریر فرمائیے۔ کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرما کر ان میں سے چند تحریر فرمائیے؟ (۴)۔

امید کہ اس عریضے کا جواب جلد ملے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، میری صحت پہلے سے بہتر ہے۔ امید ہے اس دفعہ کے علاج سے زیادہ فائدہ ہو گا

والسلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

حال وارد: بھوپال

---

(۱)۔ بے شبہ (۲)۔ تعزیر حسب رائے امام، قید سے لے کر قتل تک (۳)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو جزوی فضیلت حاصل ہونا جائز ہے اور ایسا کہنا نہ کفر ہے نہ توہین نبی کا باعث ہے۔ البتہ مقتضائے محبت کے خلاف ہے اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ جزوی فضیلت حقیقت میں فضیلت کے شمار میں ہے بھی۔ مثلاً زیادہ متمدن زمانے میں ہونا کوئی فضیلت نہیں۔ کیوں کہ خود تمدن نہ کوئی دینی فضیلت ہے نہ اخلاقی، نہ عقلی، بلکہ ممکن ہے کہ اس کے بعد دنیا اور بھی زیادہ متمدن ہو جائے تو اس زمانے کے آدمی پر بھی اس زمانے کے آدمی کو فوقیت ہو جائے اور اگر یہ امر باعث فضیلت ہو تو غلام احمد قادیانی کیا، اقبال سیالکوٹی کو بھی یہ جزوی فضیلت حاصل ہے، بلکہ غلام احمد سے زیادہ۔ کیوں کہ مرزا صاحب نے صرف اس کو دور سے دیکھا ہے، چکھا اور آزمایا نہیں۔

(مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت، بزعم خویش مسیح موعود اور مثیل عیسیٰ کے لیے،

کسی " مدعی اسلام " کے یہ کہنے کا کہ " مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآب پر جزوی فضیلت حاصل ہے "۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مکتوب الیہ کا حاشیہ تو غلط در غلط ہے۔ (ش)

(۴) یہ نقل کفر مجھ سے نہ ہو گا۔ آپ " السیف المسلول علیٰ شاتم الرسول " دیکھ لیجیے۔

~~~~~ (۶۶) ~~~~~

بھوپال، شیش محل یکم ۔ اگست ۱۹۳۵ء

مخدوم مکرم جناب مولانا صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مجھے ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ چند امور اور بھی دریافت طلب ہیں۔ ان کے جواب سے بھی ممنون فرمایئے (۱)۔

۱ ۔۔۔ تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵ میں حضرت عائشہ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ حضور رسالت مآب کو خاتم النبیین کہو، لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہ ہو گا۔ (۲)

مہربانی کر کے کتاب دیکھ کر یہ فرمایئے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے؟ ایسا ہی قول در منثور جلد پنجم صفحہ ۲۰۴ میں ہے۔ اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے۔ (۳)

میں نے یہاں بھوپال میں یہ کتب تلاش کیں، افسوس اب تک نہیں ملیں۔

۲ ۔۔۔ حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷ ۔ ۴۳۱ میں حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق ارشاد ہے۔ ؑ

" من قال بسلب نبوتہ کفر حقا۔ اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے؟ (۴)
~~~~~

۳ --- ۔ لو عاش ابراہیم لکان نبیا ۔ اس حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ۔ نووی اسے معتبر نہیں جانتا ۔ ملا علی قاری کے نزدیک معتبر ہے ۔ کیا اس کے اسناد درست ہیں ؟ (۵)

۴ --- بخاری کی حدیث و اما مکم منکم میں واؤ حالیہ ہے کیا ؟ (۶) اگر حالیہ ہو تو اس حدیث کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے دوبارہ آنے سے مسلمانوں کو کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ جس وقت وہ آئیں گے مسلمانوں کا امام خود مسلمانوں میں سے ہو گا ۔

5 --- ختم نبوت کے متعلق اور بھی اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہو تو اس سے آگاہ فرمائیے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا ۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱) ۔ اس وقت وہ رد قادیانی پر اپنا مضمون تیار کر رہے تھے ۔

(۲) ۔ جی ہاں! اس کتاب میں یہ روایت ہے جو مصنف ابن شیبہ سے لی گئی ہے ، لیکن اس کی سند مذکور نہیں، جو روایت کی صحت و ضعف کا پتا لگایا جائے اور اگر صحیح ہو بھی تو یہ حضرت عائشہ کی محض رائے ہے ، کیوں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بار بار خود فرمایا ہے لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں ۔ حضرت عائشہ نے اپنے خیال میں اس لیے ایسا کہنے سے منع کیا کہ حضرت عیسیٰ کے نزول کا انکار اس سے لوگ نہ سمجھنے لگیں ۔ بہرحال یہ ان کا خیال ہے ، جس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف ہو ۔

(۳) ۔ جی ہاں وہی روایت بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ اس کتاب میں بھی ہے اور اس کی نسبت پہلے لکھ چکا ہوں ۔

(۴) ۔ حج الکرامہ فی آثار القیامہ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب ہے ۔ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی بصفت نبوت ہوگی یا بلا صفت نبوت ۔ اس باب میں علما کا اختلاف ہے ۔ نواب صاحب کی

راے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بصفت نبوت ہوگی۔ اس لیے وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی آمد ثانی میں ان کی صفت نبوت کا انکار کرتے ہیں، وہ مرتکب کلمۂ کفر ہیں۔ بہرحال یہ راے ہے۔

(۵) ۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔ اس روایت کو بعض محققین نے موضوعات میں شمار کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فرضاً ہے، واقعۃً نہیں۔ کیوں کہ "لو" فرض اور عدم وقوع کے لیے آتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس لیے ابراہیم بن محمدؐ کو بچپن ہی میں اٹھالیا گیا۔ چناں چہ دوسری روایتوں میں یہی مذکورہ ہے۔ چناں چہ خود ابن ماجہ میں اور بخاری میں ہے **ولو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنہ ولکن لانبی بعدہ** (ابن ماجہ جنائز، بخاری انبیاء) یعنی یہ کہ اگر فیصلہ الٰہی یہ ہوتا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی ہو، تو آپ کے صاحبزادہ زندہ رہتے۔ لیکن یہ فیصلہ الٰہی ہو چکا تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ملا علی قاری نے اس کو موضوعات میں لیا ہے۔ اس کو معتبر نہیں کہا ہے، ضعیف کہا ہے۔ اس میں ابوشیبہ ابراہیم راوی ضعیف ہے، بلکہ اس کو متروک الحدیث، منکر الحدیث، باطل گو اور دروغ گو تک کہا گیا ہے۔ اس کے بعد بشرط صحت ملا علی قاری نے اس کی تاویل کی ہے۔ بہرحال اس حدیث کا وہی مطلب ہے، جو اس حدیث کا ہے **لو کان بعدی نبیا لکان عمر** (مسند احمد و ترمذی)، یعنی یہ کہ اگر میرے بعد نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمرؓ بن خطاب نبی ہوتے۔ لیکن چوں کہ ممکن نہیں اس لیے نہ وہ اور نہ کوئی اور نبی ہو سکتا ہے۔

(۶) صحیح یہی ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ عیسائیوں پر حجت ہوں گے اور مسلمانوں کی تائید فرمائیں گے۔ مسلمانوں کا امام الگ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ نہ ہوں گے

------(۶۷)------

بھوپال ۲۰۔ اگست ۱۹۳۵ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

میں بھی یہاں حمیدیہ لائبریری اور بعض پرائیویٹ احباب سے کتابیں منگوا کر دیکھتا رہا۔ الحمد للہ کہ بہت سی باتیں مل گئیں۔ اس مطالعے سے مجھے

بے انتہا فائدہ ہوا اور آپ کے خطوط نے اور بھی راہیں کھول دیں۔

میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ اس واسطے کوئی میرا رقیب نہیں اور نہ میں کسی کو اپنا رقیب سمجھتا ہوں۔ فن شاعری سے مجھے کبھی دل چسپی نہیں رہی۔ ہاں! بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں، جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے، ورنہ

نے بینی خیر ازاں مرد فرو دست
کہ برمن تہمت شعر و سخن بست (زبور عجم)

مخلص محمد اقبال

---

(۶۸)

بھوپال ۲۳۔ اگست ۱۹۳۵ء

مخدوم مکرم جناب مولانا! السلام علیکم

ایک عریضہ لکھ چکا ہوں امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔ ایک بات دریافت طلب رہ گئی تھی، جواب عرض کرتا ہوں۔

کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں، جو حیات و نزول مسیح بن مریم کے منکر ہوں؟ (۱) یا اگر حیات کے قائل ہوں تو نزول کے منکر ہوں؟ معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلے میں کیا مذہب ہے؟ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

میں ۲۸۔ اگست کی شام کو رخصت ہو جاؤں گا۔ علاج کا کورس اس

روز صبح ختم ہو جانے گا۔ اس خط کا جواب لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیے

والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱)۔ مجھے جہاں تک علم ہے نزول مسیح کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ معتزلہ کی کتابیں نہیں ملتیں جو حال معلوم ہو۔ البتہ ابن حزم وفات مسیح کے قائل تھے ساتھ ہی نزول کے بھی۔

(۶۹)

لاہور ۲۔ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی مولانا! السلام علیکم

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو صحت عطا فرمائی۔ آپ کا وجود ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ازبس ضروری ہے اور مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے تاکہ وہ دیر تک آپ کے علوم سے مستفیض ہوتے رہیں۔

میں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب بدور البازغہ چھپ گئی ہے۔ مہربانی کر کے اس کا ایک نسخہ وی پی مجھے ارسال فرمائیے۔ اگر آپ کے ہاں نہیں ہے تو مہربانی کر کے جہاں دستیاب ہو سکتی ہے، وہاں سے منگوا دیجیے۔ یا ان کو لکھ دیجیے کہ ایک نسخہ میرے لیے وی پی کر دیا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہاں چھپی ہے اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس لیے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔

موسیٰ جاراللہ کو آپ جانتے ہوں گے، انھوں نے حال میں ایک

کتاب عقائد شیعہ پر شائع کی ہے ۔ اس میں بعض لطائف ہیں ، جو بہت جاذب توجہ ہیں ۔ والسلام

مخلص   محمد اقبال

------(۷۰)------

لاہور   ۷ ۔ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی!   السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے ۔ آپ کی صحت کی خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ۔ خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ و سلامت رکھے ۔ میری صحت کی حالت بہ نسبت سابق بہتر ہے ۔ گو آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی ۔ انشاء اللہ موسم سرما میں وہ انگریزی کتاب لکھنا شروع کروں گا جس کا وعدہ میں نے اعلا حضرت نواب صاحب بھوپال سے کر رکھا ہے ۔ اس میں آپ کے مشورے کی ضرورت ہے ۔ بدور البازغہ بھی اسی مطلب کے لیے منگوائی ہے ۔ اس کتاب میں زیادہ تر قوانین اسلام پر بحث ہو گی کہ اس وقت اسی کی زیادہ ضرورت ہے ۔ اس کے متعلق جو جو کتب آپ کے ذہن میں ہیں ، مہربانی کر کے ان کے ناموں سے مجھے آگاہ فرمائیے اور یہ بھی فرمائیے کہ کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی ۔

الحمد للہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی دو تین بیان چھپوائے ہیں ، مگر حال کے روشن خیال علما کو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے ۔ اگر آپ کی صحت اجازت دے دے تو آپ بھی اس پر ایک جامع و نافع بیان شائع فرمائیے ۔ میں بھی تیسرا بیان انشاء اللہ جلد لکھوں گا ۔ اس کا موضوع ہو گا بروز ۔ لفظ بروز (۱) کے متعلق

اگر کوئی نکتہ آپ کے ذہن میں ہو یا کہیں صوفیہ کی کتابوں میں اس پر بحث ہو تو اس کا پتا دیجیے نہایت شکر گذار ہوں گا۔

موسیٰ جار اللہ صاحب (۲) کی کتاب نہایت عمدہ ہے۔ ملنے کا پتا کتاب پر یہ لکھا ہے:

مکتبہ الخانجی، شارع عبدالعزیز۔ مصر

امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہو گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

---

(۱)۔ لفظ بروز کے معنی تو ظہور ہیں۔ مگر اس کے اصطلاحی معنی ملاحدۂ عجم کی پیداوار ہیں۔

(۲)۔ موسیٰ جار اللہ مشہور روسی عالم مفکر ہیں۔ یہ ہندوستان کئی بار آچکے ہیں۔ مجھ سے مکہ معظمہ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ ترکی میں۔ بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں۔

رجال مکاتیب اقبال

اس تعارف میں صرف بر عظیم پاک وہند سے تعلق رکھنے والی شخصیات شامل ہیں ۔ تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے اکابر ومشاہیر پر علمی و تحقیقی تصنیفات عام طور پر مل جاتی ہیں ۔ اس لیے انھیں اس تعارف میں شامل کر کے کتاب کو گراں بار بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ۔

شفقت

فہرست

مولانا شبلی نعمانی ۱۱۵
مولانا ابوالکلام آزاد ۱۱۶
نیک چند بہار ۱۱۷
مولوی اصغر علی روحی ۱۱۸
مولانا ذوالفقار علی دیوبندی ۱۱۸
مولانا محمود حسن دیوبندی ۱۱۹
مولانا گرامی جالندھری ۱۲۱
مولوی فضل الدین احمد مرزا ۱۲۳
مولوی عبدالماجد دریا بادی ۱۲۳
سید نجیب اشرف ندوی ۱۲۴
بنارسی (سید نذیر نیازی) ۱۲۵
مولانا شاہ اسماعیل شہید ۱۲۶
حافظ امان اللہ بنارسی ۱۲۷
مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی ۱۲۷
قاضیؒ محب اللہ بہاری ۱۲۸
مولانا نور الحق علوی ۱۲۹
علامہ مشرقی (عنایت اللہ) ۱۳۰
چودھری غلام رسول مہر ۱۳۰
ذوالفقار علی خاں ۱۳۲
شیخ عبدالقادر ۱۳۴
سر محمد شفیع ۱۳۵
شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۳۵
ملا محمود جون پوری ۱۳۶
مولوی نور الاسلام ۱۳۶
سر راس مسعود ۱۳۷
مولوی مظہر الدین شیرکوٹی ۱۳۹
شاہ محمد عاشق پھلتی ۱۳۹
نواب صدر یار جنگ ۱۴۰
مرزا غلام احمد قادیانی ۱۴۱
نواب حمید اللہ خان بھوپال ۱۴۲

مکتوب نمبر ۲ و دیگر

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء - ۱۹۱۴ء)

علامہ شبلی نعمانی ہندوستان کے پر آشوب ایام اور بحران انقلاب یعنی ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڑھ کے بندول نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ضلع کا ایک ممتاز، متمول اور عزت دار گھرانا تھا۔ ان کے والد علاقے کے ایک کامیاب وکیل تھے۔ علامہ شبلی نے مولانا محمد فاروق چریا کوٹی جیسے فاضل رجل سے عربی کی متوسطات سے انتہا تک تعلیم حاصل کی۔ ان سے معقولات کی اس حد تک تعلیم پائی کہ ہندوستان میں اس سے زیادہ ممکن نہ تھی۔ رام پور جا کر مولوی ارشاد حسین سے فقہ کی اعلا کتابیں پڑھیں۔ لاہور میں مولوی فیض الحسن سے حماسہ کسی قدر اس طرح پڑھی کہ وہ اورینٹل کالج آتے جاتے راستے میں پڑھاتے تھے۔ لاہور سے مولانا احمد علی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے سہارن پور پہنچے۔ ۱۹ برس کی عمر میں ۱۸۷۶ء میں حج کیا اور وہاں کے کتب خانوں سے خوب استفادہ کیا۔ اگرچہ ظاہری طالب علمی کا دور ختم ہو گیا لیکن زندگی بھر وہ جویاے علم رہے۔ وہ علی گڑھ میں (۱۸۸۲ء تا ۱۸۹۸ء) پروفیسر رہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام میں حصہ لیا۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنا ڈالی۔ ساری زندگی مطالعے اور تصنیف و تالیف میں صرف ہوئی۔ ناموران اسلام کے سلسلے میں المامون، سیرت النعمان اور الفاروق لکھیں۔ سفر نامہ ارض روم، مصر اور شام، الغزالی، علم الکلام، سوانح مولانا روم، موازنہ انیس و دبیر، شعرالعجم، (چار حصے) مقالات شبلی، مضامین عالمگیر، رسائل شبلی کتب خانہ اسکندریہ، کلیات نظم، ان کی اردو میں یادگاریں ہیں۔ عربی میں اسکات المعتدی، بدء السلام، الجزیہ، النقد علی التمدن الاسلامی اور فارسی کے دیوان دستہ گل اور بوے گل ہیں۔ سیرت النبی کے لیے تمام معلومات فراہم کر لی تھیں۔ پہلی جلد تیار کر لی تھی اور دیگر جلدوں کی ترتیب و تحریر کا مرحلہ باقی تھا کہ زندگی کی مہلت ختم ہو گئی انھوں نے اپنے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی کو وصیت کی تھی کہ "سیرہ النبی کا کام تمام کرنا ہے گو جان دے کر ہی سہی۔ علامہ نے ۱۸۔ نومبر ۱۹۱۴ء مطابق ۲۸۔ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو وفات پائی۔

مکتوب نمبر ۴ و دیگر

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء - ۱۹۵۸ء)

محی الدین احمد ابوالکلام آزاد کے اجداد کا تعلق دہلی سے تھا۔ ان کے والد مولانا خیر الدین اپنے خسر مولانا منور الدین کے ہمراہ ہندوستان سے ہجرت کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن مولانا منور الدین وہاں پہنچ کر بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ مولانا خیر الدین نے ہجرت کا سفر جاری رکھا، حجاز گئے اور مکہ میں آباد ہو گئے انھوں نے وہیں عالیہ بیگم سے شادی کی تھی۔ جن کے بطن سے اگست ۱۸۸۸ء میں مولانا آزاد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم کا آغاز روایتی انداز میں مذہبی بنیادوں پر ہوا۔ مولانا خیر الدین ہندوستان آئے تو کلکتہ میں قیام کیا۔ جہاں ان کے مریدوں کی کثیر تعداد تھی۔ مولانا آزاد نے ۱۴، ۱۵ برس کی عمر میں درسیات کی تکمیل کر لی تھی۔ ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا۔ ان کی پہلی غزل ارمغان فرخ (جنوری ۱۸۹۹ء) میں چھپی تھی۔ ان کا کلام گلدستہ خدنگ نظر، لکھنؤ میں بھی شائع ہوتا رہا وہ کچھ عرصہ اس کے حصہ نثر کے ایڈیٹر بھی رہے تھے۔ خود بھی نیرنگ عالم کے نام سے ایک گلدستہ جاری کیا تھا۔ ان کے ماہنامہ لسان الصدق (نومبر ۱۹۰۳ء تا اپریل، مئی ۱۹۰۵ء) نے اپنے معیار اور انداز کی وجہ سے مقبولیت حاصل کی۔ ان کی صحافتی صلاحیتوں کو مولانا شبلی کے رسالہ "الندوہ" کی ادارت کے زمانے (اکتوبر ۱۹۰۵ء تا مارچ ۱۹۰۶ء) میں جلا حاصل ہوئی۔ وہ اخبار وکیل امرتسر کے بھی ایڈیٹر رہے۔ تجربات کے اس دور میں حق کی تلاش میں رہے۔ اس دوران میں تشکیک ہی نہیں الحاد کی منزل سے بھی گزرے۔ بالآخر منزل کو پاکر اسلام کی خدمت، اس کے نشات ثانیہ، اس کی اصلی روح کو روشناس کرانے، مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے اور دنیائے اسلام پر سے ادبار کے بادلوں کو دور کرنے کے عظیم فیصلہ کے ساتھ میدان علم میں آئے۔ ہفتہ وار اخبار "الہلال" (اجرا ۱۳۔ جولائی ۱۹۱۲ء) کو انھیں مقاصد کا علم بردار بنایا، جس نے پر اثر طرز تحریر اور جوش بیان کی وجہ سے صحافت میں ایک نئی مثال قائم کی۔ الہلال بے حد مقبول ہوا۔ حکومت نے کئی بار اس سے ضمانت طلب کی۔ ۱۸۔ نومبر ۱۹۱۴ء کے شمارے کے بعد وہ بند ہو گیا۔ اس

کی جگہ البلاغ (۱۲۔ نومبر ۱۹۱۵ء تا ۲۔ اپریل ۱۹۱۶ء) نے لی جو ان کی رانچی میں نظر بندی کی وجہ سے بند ہوا۔ اسی دوران (نومبر ۱۹۱۳ء) میں وہ مسلم لیگ کے رکن بنے اور ۱۵ برس اس میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۲۰ میں کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور باقی زندگی وہ اسی کے نصب العین کے لیے کام کرتے رہے۔ تحریک عدم تعاون میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ جمیعت علماے ہند، خلافت کانفرنس کی صدارت کی۔ کئی برس کانگریس کے صدر رہے۔ وہ ایک عالم، صحافی، صاحب طرز انشاپرداز، مفسر قرآن اور سیاست دان تھے۔ ان کا احترام مسلمانوں کے تمام طبقوں اور آزادی پسند حلقوں میں کیا جاتا تھا۔ حصول آزادی کے بعد باصرار وزیر تعلیم بنائے گئے۔ ۲۲۔ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں رحلت فرمائی۔

مکتوب نمبر ۹

ٹیک چند بہار (اوائل ۱۱۰۰ھ۔ ۱۱۸۰ھ)

ٹیک چند نام اور بہار تخلص تھا۔ رائے یا راجا کا خطاب انھیں دربار دہلی سے ملا تھا۔ ان کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کی تحقیق کے مطابق ۱۱۸۰ھ (جون ۱۷۶۶ء تا مئی ۱۷۶۷ء) میں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارھویں صدی ہجری کا اوائل ان کی پیدائش کا زمانہ ہوگا۔

بہار دہلی کے باشندے اور سراج الدین آرزو اور شیخ ابوالخیر خیر اللہ وفائی کے شاگرد اور میر تقی میر کے دوستوں میں سے تھے۔ میر حسن نے انھیں اپنے تذکرے میں مستعد روزگار، شاعر فارسی اور اصطلاحات فارسی کا جاننے والا لکھا ہے کریم الدین نے انھیں ہندی، اردو اور خصوصاً فارسی کی بہت سی کتابوں کا مصنف لکھا ہے۔ لیکن ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم تحقیق بسیار کے باوجود ان کی صرف پانچ کتابوں سے واقف ہوسکے تھے۔

بہار کو لغات ولسانیات اور زبان دانی کا خاص ذوق تھا۔ ان کی پانچوں کتابیں انھیں فنون میں ہیں۔ بہار عجم اور ابطال ضرورت کا حوالہ علامہ اقبال کے زیر نظر

مکاتیب میں آیا ہے۔ ان کی دیگر تین کتب یہ ہیں:۔

۳۔ جواہر الحروف، ۴۔ نوادر المصادر اور ۵۔ جواہر الترکیب

بہار عجم پر ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم نے "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" میں مفصل تبصرہ کیا ہے اور اس کی اہمیت، جامعیت اور دیگر خصائص پر روشنی ڈالی ہے۔ ٹیک چند بہار کو انھوں نے فاضل دہر لکھا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۰

مولوی اصغر علی روحی (ف: ۱۹۵۴ء)

اصغر علی روحی ایم۔ او۔ ایل، مولوی فاضل، منشی فاضل، اپنی علمیت اور قابلیت کی بنا پر عزت واحترام کے حامل رہے۔ اسلامیہ کالج اور اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر رہے۔ دبیر عجم، العروض والقوافی، معانی الضمیر جیسی محققانہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک علمی رسالہ الہدی ۱۹۰۳ء میں لاہور سے جاری کیا تھا۔ عربی اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ علامہ اقبال ان کی علمی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے اور زبان وبیان کے مسائل پر ان سے گفتگو اور مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

مکتوب نمبر ۱۱

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (۱۲۳۷ھ۔ ۱۳۲۲ھ)

دیوبند کے مشہور عالم دین مولوی شیخ فتح علی کے صاحبزادے، مولانا ذوالفقار علی ۱۲۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ عربیہ کالج دہلی میں تعلیم پائی۔ مولانا مملوک العلی کے خاص شاگرد تھے۔ اگرچہ انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی، دیوبند کے معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ مدرسہ کی ترقی کے لیے انتھک کوششیں کیں۔ چالیس سال تک دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن رہے تھے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو کے بے مثل ادیب تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں:۔

۱۔ عطر الوردہ (قصیدہ بردہ شریف کی اردو شرح)،

۲۔ الارشاد (قصیدہ بانت سعاد کی اردو شرح)،

۳۔ التعلقات (سبع معلقات کی اردو شرح)،

۴۔ تسہیل الدراسہ (دیوان حماسہ کی اردو شرح)،
۵۔ تسہیل البیان (دیوان متنبی کی اردو شرح)،
۶۔ معیار البلاغت (علم معانی و بیان میں)،
۷۔ تسہیل الحساب (ریاضی میں) وغیرہ

ان کا سال وفات ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا انھیں کے صاحبزادے تھے۔

مکتوب نمبر ۱۳

مولانا محمود حسن دیو بندی (۱۸۵۱ء۔۱۹۲۰ء)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بند کے عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد مولانا ذوالفقار علی بہ سلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ مولانا ذوالفقار علی ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جو دارالعلوم دیو بند کے قیام و ترقی میں ساعی رہے۔ مولانا محمود حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ بعد میں مولانا قاسم نانوتوی کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۸۶۰ء میں دارالعلوم دیو بند کے قیام کے بعد وہاں داخل کیے گئے۔ مولانا محمود نے ملا محمود، مولانا یعقوب ابن مولانا مملوک العلی اور سید احمد دہلوی سے علوم کی تکمیل کی۔ ۱۸۷۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور دارالعلوم ہی میں پڑھانے لگے اور وہاں کے عہدہ صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ دارالعلوم دیو بند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کوششوں سے دین اور سیاست کا مرکز بن گیا تھا۔ ان کے بعد اس مرکز کی سب سے اہم شخصیت حضرت شیخ الہند قرار پائے۔ تمام علمائے ہند انھیں سے معاملات دینی و دنیاوی میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ ان کی تربیت سے علما میں سیاسی ذوق پیدا ہوا اور اصحاب ایثار کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ ان میں مولانا عبیداللہ سندھی جیسے انقلابی اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے سیاسی مجاہد اور مدبر شامل تھے۔ جنگ بلقان وطرابلس (۱۹۱۲ء) کے زمانے میں ترکوں کی شکست اور ان پر ہونے والے مظالم پر وہ سخت رنجیدہ خاطر ہو جاتے تھے۔ ان کے دل میں مغربی استبدادی طاقتوں کے

خلاف نفرت کا جذبہ دن بدن بڑھتا گیا، یہاں تک کہ انھوں نے ہندوستان سے انگریزوں کے اقتدار کے خاتمے کے لیے ایک انقلابی منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے کے مطابق مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل روانہ کیا اور خود حجاز ہجرت کر گئے تاکہ وہاں سے جہاد کی رہنمائی کریں۔ انھوں نے غالب پاشا، غازی انور پاشا اور دیگر مسلم ترکی زعما سے ملاقاتیں کر کے اپنے منصوبے کی کامیابی کے لیے مدد و اعانت حاصل کی۔ انگریزوں کو اس منصوبے کا قبل از وقت علم ہو گیا، جسے انھوں نے ریشمی رومال سازش کا نام دے دیا اور ہندوستان میں مسلمان رہنماؤں کو بڑے پیمانے پر گرفتار کر لیا گیا۔ حجاز کے شریف حسین نے مولانا اور ان کے ساتھیوں: مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، مولانا حکیم نصرت حسین اور مولانا وحید احمد کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ انھیں فروری ۱۹۱۷ء میں جزیرہ مالٹا میں اسیر کر دیا گیا۔ جہاں وہ مارچ ۱۹۲۰ء تک قید رہے۔ ۸۔ جون ۱۹۲۰ء کو انھیں بمبئی پہنچا کر رہا کر دیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں انھوں نے بیماری کی حالت میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا علی گڑھ میں افتتاح کیا اور ایک تاریخی خطبہ ارشاد کیا۔ نومبر میں جمعیت علمائے ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس دہلی کی صدارت کی۔ وہ دہلی میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے گھر میں مقیم اور انھیں کے زیر علاج تھے۔ وہیں پیغام اجل پہنچا اور ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو انھوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ مولانا نے دارالعلوم میں چالیس برس درس حدیث دیا اور ۸۶۰ اعلا استعداد کے صاحب طرز عالم دین، فاضل علوم اور ماہرین فنون پیدا کیے۔ ان کی تحریری خدمات میں ایضاح الادلہ (۱۲۹۹ھ) احسن القری (۱۳۱۳ھ)، جہد المقل، افادات، الابواب والتراجم، کلیات شیخ الہند، حاشیہ مختصر المعانی، (۱۳۴۴ھ) تصحیح ابی داؤد (۱۳۱۸ھ) فتاوی۔ ترجمہ قرآن شامل ہیں۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری نے اپنی تالیف "شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ------ ایک سیاسی مطالعہ" میں ان کے سیاسی خطبات، فتوے اور خطوط جمع کر دیے ہیں اور ان کاموں کا جائزہ بھی لیا ہے جو تصنیف و تالیف کے میدان میں حضرت کے بارے میں انجام پانے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے حضرت کے زمانہ اسارت مالٹا میں "بہ سلسلہ نظر

بند ان اسلام۔ ایک عمدہ مضمون معارف میں شائع کیا، اس میں وہ فرماتے ہیں:

"امام العصر، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے رفقائے کرام ہمارے دوسرے نظر بندوں کے مقابلے میں مختلف حیثیتوں سے ترجیحی پہلو رکھتے ہیں، لیکن ان کے اس شرف اور امتیاز کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنی نظر بندی کا آغاز اس سرزمین اور اس آبادی سے کیا جس کے ایک گوشے میں "اسلام کا سب سے پہلا نظر بند۔ شعب ابی طالب میں تین برس محصور رہا تھا اور اس لیے کہا جاتا ہے کہ مولانا کو جس طرح اپنے دیگر اعمال میں سنت نبوی کے کامل اتباع کا ذوق وشوق تھا، اللہ تعالی نے اس آخری عمل میں بھی اسوہ محمدی کا شرف ان کو عنایت فرمایا۔ سچ ہے المرء مع احب ہمارے نظر بندوں کو باایں ہمہ صعوبات ترک وطن کی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی۔ لیکن اس مرد راہ خدا کو یہ مصیبت بھی اٹھانی پڑی۔ درست ہے: **حسنات الابرار سیئات المقربین**

مولانا اور ان کے رفقا نے جدہ، مصر، اور مالطہ میں اپنی قید کا زمانہ بسر کیا، لیکن ان کے یہ تمام ایام جس ذوق وشوق، ولولہ وجذبات اور مبارک اشغال میں گزر رہے ہیں اور اس پیرانہ سالی میں وطن سے ہزاروں کوس دور جس ثبات قدم اور رسوخ عزم کے ساتھ وہ اس سنگلاخ زمین کو طے کر رہے ہیں۔ وہ گذشتہ ائمہ کرام کے عہد ماضی کی یاد زندہ کر رہا ہے۔ ایمان وتلقین، صبر وشکر، تسلیم ورضا کا بھی نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، جو تاریخ کی دوربین ہم کو کبھی مکہ کے غاروں میں، کبھی بغداد ودمشق کے قیدخانوں میں اور کبھی بلخ وہرات اور نیشاپور کے زندانوں میں دکھاتی ہے۔ تلقین ایمان، نشر علم اور اشاعت حدیث کا جو فرض وہ دارالعلوم دیوبند کے حجروں میں انجام دیتے تھے۔ اب وہ مالطہ کی نمبر ۲۲۱۹ کی کوٹھری میں انجام پارہا ہے ------ (معارف، اعظم گڑھ۔ مارچ ۱۹۱۹ء)

مکتوب نمبر ۱۴ ودیگر

مولانا گرامی جالندھری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۷ء)

شیخ غلام قادر گرامی جالندھر میں پیدا ہوئے۔ لاہور آکر تحصیل علم کی۔

امرتسر میں مدرس فارسی کی خدمت پر مامور رہے۔ کچھ عرصہ کپور تھلہ میں ملازمت کی۔ بالآخر ریاست حیدر آباد میں قسمت نے یاوری کی۔ نواب میر محبوب علی خان نظام دکن نے انھیں اپنا استاد بنایا۔ وہاں ۳۵ برس عزت و اکرام سے گزارے۔ ۱۹۱۶ء میں بیمار ہو کر وطن لوٹ آئے۔ ۲۶۔ مئی ۱۹۲۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔ وہ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ علامہ اقبال کو بھی ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے حضرت گرامی کے انتقال پر معارف میں اپنے رنج و غم اور تعزیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

"ہندوستان کے کہنہ مشق اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر حضرت گرامی نے ۲۶۔ مئی ۱۹۲۷ء کو چند روزہ علالت کے بعد اس دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ مرحوم پنجاب کے ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ فارسی شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا کچھ دنوں امرتسر کے ایک اسلامی مدرسہ میں معلم رہے، پھر اعلا حضرت نظام سابق مرحوم کی قدر شناس نگاہ نے ان کو تاکا اور اپنے دربار کا فارسی شاعر مقرر کیا۔ اخیر عمر میں حیدر آباد سے جالندھر آکر جب قیام کیا تو ان کی صحبت اور فیض اثر سے متعدد نوجوان اردو شاعر پیدا ہوئے، جن میں ابوالاثر حفیظ اور سالک کے نام سب سے اونچے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے بھی جب فارسی میں کہنا شروع کیا تو ان سے استفادے میں دریغ نہیں کیا۔ زبان کے معاملے میں وہ ان کی سند تھے۔ افسوس ہے کہ اب کشور ہند ایسے یگانہ نامور کے وجود سے ہمیشہ کے لیے خالی ہوگیا۔

مرحوم سے صرف ایک دفعہ آل انڈیا شعرا کانفرنس دہلی منعقدہ ۱۹۲۳ء میں ملاقات ہوئی تھی۔ بے حد ملنسار، متواضع اور مرنجان مرنج آدمی تھے، ایک سال پہلے تک ان کے اکثر خطوط میری عزت بڑھاتے رہتے تھے اور کبھی کبھی معارف کے صفحوں کو بھی اپنے نغموں سے معمور کیا کرتے تھے۔ مولانا شبلی مرحوم کے تعلق اور یہاں سے حیدر آباد کی یک جائی اور شاعری کی ہم پیشگی کا اثر یہ تھا کہ وہ مولانا مرحوم کی اس یادگار کو بزرگانہ محبت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ افسوس کہ یہ فیض اب ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔"

(معارف جون ۱۹۲۷ء)

مکتوب نمبر ۱۹

مولوی فضل الدین احمد مرزا

فضل الدین احمد مرزا ضلع گورداسپور کے ایک دیہات کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے جاپان میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۰۲ء میں وہاں سے لوٹ کر آنے تو کلکتہ میں قیام کیا۔ جہاں ان کی ملاقات مولانا آزاد سے ہوئی جو دوستی میں بدل گئی۔ وہ مولانا کے اخبارات الہلال اور البلاغ کے مہتمم کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پیغام (۱۹۲۱ء) کے پرنٹر پبلشر بھی وہی تھے۔ انھیں کے اصرار پر مولانا نے اپنے خاندان کے حالات رانچی میں نظر بندی کے دوران جون ۱۹۱۶ء اور ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کے درمیانی عرصے میں تحریر کیے۔ جن کا ایک حصہ "تذکرہ" کی صورت میں شائع ہوا۔ ان کا قیام کلکتہ ہی میں تھا لیکن اس کتاب (تذکرہ) کو مکمل کروانے کے لیے وہ کچھ عرصے رانچی میں مقیم رہے۔ کچھ عرصے بعد وہ پنجاب چلے گئے۔ تقریباً ۱۹۲۲ء میں وہ لودھیانہ میونسپل کمیٹی کے سیکرٹری ہو گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ مولانا غلام رسول مہر کا بیان ہے کہ جیل سے رہائی کے بعد (۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء میں) مولانا آزاد نے ان کے وطن کسی شخص کو بھیجا تھا کہ وہ ان کے کاغذات میں "تذکرہ" کے بقیہ حصے کا پتا چلانے، لیکن کچھ پتا نہ چل سکا۔

مکتوب نمبر ۲۲

مولوی عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲ء - ۱۹۷۷ء)

مولوی عبدالقادر ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے عبدالماجد ۱۸۹۲ء میں ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے شیخ زادوں کے اس خاندان میں پیدا ہوئے، جو قدوائی کہلاتا ہے۔ انھیں ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے علمی، دینی اور تہذیبی روایات ورثے میں ملی تھیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مرزا احمد ذکی اور مولوی عظمت اللہ فرنگی محلی سے عربی زبان کی تحصیل شروع کی لیکن تکمیل کی منزل تک نہ پہنچ سکے۔ ۱۹۰۸ء میں سیتا پور کے ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد علی گڑھ کے ایم۔ اے۔ او کالج میں داخلہ لیا لیکن تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔

ان کی ادبی زندگی کا آغاز بارہ سال کی عمر میں ہوا۔ جبکہ وہ ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ ان کا پہلا مضمون "اودھ اخبار" میں چھپا تھا۔ نویں جماعت میں تھے کہ ایک یونانی ڈرامے کا ترجمہ کیا۔ ان کی بھرپور ادبی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ کالج چھوڑ کر آنے اور لکھنو میں قیام کیا۔

دارالعلوم ندوہ کے اصحاب تدریس خصوصاً علامہ شبلی سے تعلقات استوار ہونے، فرنگی محل میں مولانا عبدالباری کے ہاں آنے جانے لگے، اکبر الہ آبادی سے متعارف ہونے، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مرزا ہادی رسوا، عبدالحلیم شرر، اثر لکھنوی، عزیز لکھنوی، مرزا عسکری، امیر احمد علوی،، مولانا سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالسلام ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہم سے روابط بڑھے۔ ذہن فلسفیانہ پایا تھا فلسفہ کے مطالعے نے مذہب سے برگشتہ کر دیا۔ لیکن بعد میں اللہ نے انھیں توبہ کی توفیق دی اور قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

انھوں نے کئی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ سیرت نبوی کو قرآن کی روشنی میں مرتب کیا" بشریت انبیاء علیہم السلام۔ اور "فلسفہ جذبات۔ ان کی تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ انشائے ماجد، مضامین ماجد، مقالات ماجد، نشریات ماجد، خطوط کے کئی مجموعے، معاصرین، آپ بیتی اور مولانا محمد علی اور مولانا اشرف علی تھانوی پر ان کی تصانیف یادگار ہیں۔

صحافت سے بھی تعلق رہا۔ رسالہ معارف (اعظم گڑھ) سے وابستہ رہے۔ روزنامہ ہمدرد دہلی کے نگران ہونے۔ اخبار سچ، صدق اور صدق جدید جاری کیے۔ ان کا شمار اعلا پائے کے ادیبوں، نقادوں اور صحافیوں میں ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ شاعری کا شوق بھی رہا تھا۔

۶۔ جنوری ۱۹۷۷ء کو دریا باد (ضلع بارہ بنکی۔ یوپی) میں ان کا انتقال ہو گیا۔

مکتوب نمبر ۲۷

سید نجیب اشرف ندوی (۱۹۰۱ء - ۱۹۶۸ء)

سید نجیب اشرف ندوی یکم نومبر ۱۹۰۱ء کو قصبہ آرموری ضلع چاندہ

(مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ڈاکٹر سید محمد مبین سے حاصل کی۔ مرہٹی زبان اسکول میں چوتھی جماعت تک پڑھائی گئی۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء تک ندوۃ العلماء لکھنو میں زیر تعلیم رہے۔ جب ان کا خاندان آبائی وطن دیسنہ لوٹ آیا تو وہ اینگلو سنسکرت ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں وہاں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی کے زمانے سے ان کے مضامین رسائل میں شائع ہونے لگے تھے۔ تحریک عدم تعاون کے دور میں وہ بی۔ اے کے طالب علم تھے۔ تحریک سے متاثر ہو کر تعلیم ترک کر دی اور تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۶ء کے دوران وہ کلکتہ میں رہے وہیں سے گریجویشن کیا۔ تاریخ ان کا خصوصی مضمون تھا۔

وہ دارالمصنفین سے فیلو کی حیثیت سے ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک، اسماعیل یوسف کالج بمبئی سے پروفیسر کی حیثیت سے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۰ء تک، انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۸ء تک منسلک رہے۔ اسلامیات، عربی ادبیات اور مسلمانوں کی تاریخ ان کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ جن پر ان کے درجنوں مضامین شائع ہوئے۔ انھوں نے بمبئی میں انجمن ترقی اردو قائم کی تھی۔ وہ خود زندگی بھر تحقیقی کام کرتے رہے اور فراخ دلی سے دوسروں کی رہنمائی بھی کرتے رہے۔

۵۔ ستمبر ۱۹۶۸ء کو بروز جمعرات بمبئی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

مکتوب نمبر ۲۸

سید نذیر نیازی (۱۹۰۰ء-۱۹۸۱ء)

سید نذیر نیازی علامہ اقبال کے ہم وطن تھے اور علامہ کے استاد شمس العلماء میر حسن کے برادر زادے تھے۔ وہ ۱۹۰۰ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں پہلی بار علامہ سے نیاز حاصل ہوا۔ وہ اکثر ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ لیکن ۱۹۳۶ء کے بعد جب ان کا لاہور میں مستقل قیام ہوا تو وہ حضرت علامہ کی خدمت میں ہر روز حاضر ہونے لگے۔ حضرت علامہ کی

صحبت سے انھوں نے بہت استفادہ کیا اور معلومات حاصل کیے ۔ یہی افکار معلومات اور تاثرات "اقبال کے حضور" کے عنوان سے مرتب کر کے شائع کر دیے ہیں ۔ اس میں یکم جنوری ۱۹۳۶ء سے علامہ کی زندگی کی آخری ساعت تک کی تفصیلات پر جو مشاہدہ یا سماعت میں آئیں درج ہیں ۔ جاوید اقبال نے "زندہ رود" جلد سوم میں لکھا ہے کہ شب آخر بھی وہ علامہ کے پاس تھے لیکن دم واپسیں سے چند ساعت قبل چلے گئے تھے ۔

اس سے قبل وہ اقبال کے لیکچرز The Reconstruction of Religious Thought in Islam کا اردو ترجمہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے نام سے کر چکے تھے ۔ جسے بزم اقبال، لاہور نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا ۔

سید نذیر نیازی کا انتقال ۱۴ ۔ جنوری ۱۹۸۱ء کو ہوا اور میانی صاحب کے قبرستان میں دفن ہوئے ۔

مکتوب نمبر ۲۹

(۱۷۷۹ء ۔ ۱۸۳۱ء)

مولانا شاہ اسماعیل شہید

شاہ محمد اسماعیل ۱۲ ۔ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے ۔ نہایت ذہین، طباع اور حاضر جواب تھے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی عبدالغنی بن مولانا شاہ ولی اللہ سے حاصل کی ۔ والد کے انتقال کے بعد شاہ عبدالعزیز نے تعلیم و تربیت فرمائی ۔ انھیں سے علم حدیث پڑھا ۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے ۔ زندگی دین اور ملت کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی ۔ سید احمد شہید کے دست حق پرست پر بیعت کی ۔ حج پر تشریف لے گئے ۔ وہاں سے لوٹ کر پنجاب کا دورہ کیا ۔ جہاں سکھوں نے مسلمانوں کی زندگی تلخ کر دی تھی ۔ سید احمد شہید کی قیادت میں سکھوں سے جہاد کیا ۔ صوبہ سرحد میں بالاکوٹ کے مقام پر معرکہ جہاد میں ۱۸۳۱ء میں شہید ہوئے ۔

ان کی تصانیف میں بحث امکان النظیر و امتناع النظیر، رسالہ ایضاح الحق، منصب رسالت ہیں ۔ رسالہ اصول الفقہ، رسالہ توحید، صراط مستقیم (کا ایک حصہ)،

تنویر العینین ، تقویتہ الایمان اور رسالہ بے نمازاں شامل ہیں ۔ اللھم اغفرلہ

مکتوب نمبر ۲۹

حافظ امان اللہ بنارسی (ف: ۱۱۳۳ھ)

حافظ امان اللہ بن نور اللہ بن حسین بنارسی ، حافظ قرآن مجید ، علوم معقول ومنقول کے فاضل اور فروع واصول کے ماہر تھے ۔ ملا قطب الدین سہالوی اور دوسرے مشاہیر زمانہ سے درس لینے کے بعد بنارس میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی ۔ عالم گیر کے عہد میں لکھنو کے عہدہ صدارت پر سرفراز ہوئے ۔ آخر عمر میں شاہ خوب اللہ خیر آبادی سے نقشبندی سلسلے میں بیعت ہوئے ۔ ۱۱۳۳ھ (مطابق ۲۱۔ ۱۷۲۰ء) میں بنارس میں انتقال کیا۔

ان کی یہ تصانیف یادگار ہیں: مفسر (اصول فقہ) ، محکم الاصول (شرح مفسر مذکور) ، حواشی بر تفسیر بیضادی ، عضدی ، تلویح ، حاشیہ قدیمہ ، شرح مواقف ، حکمتہ العین ، شرح عقائد دوانی ، رشیدیہ اور مباحثہ میر باقر علی استرآبادی و ملا محمود جون پوری پر حواشی۔

مکتوب نمبر ۲۹ ودیگر

مولانا حکیم سید برکات احمد تونکی (ف: ۱۳۴۷ھ)

مولانا سید برکات احمد ٹونکی اپنے عہد کے جید عالم تھے ۔ ان کی ذات اور ان کی تبحر علمی سے فیض کا سلسلہ برسوں جاری رہا ۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کے بارے میں لکھا تھا:

"پچھلے مہینے ایک اور فاضل زمانہ نے اپنی جگہ خالی کر دی ، یکم ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو استاذ الوقت مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ٹونکی نے وفات پائی ، مرحوم اس عہد کے ان یگانہ اساتذہ میں تھے ۔ جن کے حلقہ درس نے سیکڑوں کاملین فن پیدا کیے ۔ جناب مفتی عبداللہ صاحب ٹونکی کی طرح مرحوم کا خاندان بھی بہار سے ٹونک جاکر آباد ہوا تھا ۔ یہ پندرہ برس مولانا عبدالحق خیر آبادی کی صحبت میں رہ کر علوم عقلیہ وحکمیہ میں سرآمد روزگار بنے تھے ، ساتھ ہی علم حدیث اور

علوم دینیہ کا فیض قاضی محمد ایوب صاحب بھوپال سے حاصل کیا تھا۔ والی ٹونک ان کی پوری قدر دانی فرماتے تھے اور ان کو اپنی ریاست کا فخر سمجھتے تھے۔ دور دور سے طلبہ آکر ان کے حلقہ تعلیم میں شریک ہوتے تھے، اور کامیاب ہو کر واپس جاتے تھے۔ افسوس کہ یہ سرچشمہ فیض ہمیشہ کے لیے خشک ہوگیا" رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (۱۳۴۷ھ) تاریخ وفات جس نے نکالی ہے اس پر بھی خدا کی رحمت" رحمت اللہ وبرکاتہ علیہ۔۔

مرحوم کی بعض فلسفیانہ تصنیفات شائع ہوئی ہیں۔ مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں:

انہار اربعہ (تصوف میں)، القول الضابط فی تحقیق الوجود الرابط، امام الکلام فی تحقیق الاجسام (فلسفہ میں)، حاشیہ برحاشیہ خیرآبادی، حاشیہ برحاشیہ شرح مواقف (کلام میں)، حاشیہ بر جامع ترمذی (حدیث میں)۔

مرحوم نہ صرف اپنے علم و فضل میں، بلکہ اپنے محاسن اخلاق میں بھی پرانے بزرگوں کی شان رکھتے تھے۔ کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ وہ رات بھی جس میں ان کی وفات ہوئی مطالعے سے ناغہ نہ گئی۔ نوجوان دنیا ان بوڑھے بزرگوں کی نظیر ومثال پیدا نہ کر سکے گی۔۔ (معارف۔ ستمبر ۱۹۲۸ء)

حضرت ٹونکی کی فلسفے میں معرکہ آرا کتاب "الاتقان فی تحقیق مسئلۃ الزمان۔ کا نام اور اس سے استفادے کا ذکر تو علامہ اقبال کے انھی مکاتیب میں آیا ہے۔ اب یہ نادر تصنیف شائع ہو گئی ہے۔

مکتوب نمبر ۲۹ ودیگر

قاضی محب اللہ بہاری (ف: ۱۱۱۹ھ)

قاضی محب اللہ بہار کے موضع کڑا میں پیدا ہوئے۔ درسی کتب اس عہد کے علما سے پڑھیں۔ آخر ملا قطب الدین شمس آبادی کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہوئے۔ فراغ علمی کے بعد عہد عالمگیری میں لکھنؤ اور حیدر آباد کے قاضی رہے۔ بادشاہ کے پوتے شاہ عالم کی تعلیم پر مقرر ہوئے۔ فاضل خاں" کا خطاب پایا۔ سلم

العلوم (منطق) ، مسلم الثبوت (اصول فقہ) ، الجواہر الفرد (بیان جزء لایتجزیٰ) رسالہ مغالطہ عامتہ الورود ان کی تصانیف ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۹

مولانا نور الحق علوی (۱۸۸۸ء - ۱۹۵۱ء)

مولانا نور الحق بن منشی محمد قاسم موضع بسال ضلع اٹک میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ منشی محمد قاسم پٹواری تھے۔ وہ شعائر اسلامی کے پابند اور صوفیانہ مزاج رکھتے تھے۔ مولانا نور الحق کی ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی۔ وہ تکمیل تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے۔ ۱۹۱۰ء میں سند فراغ حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۱۹ء میں منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ اپنے آبائی گاؤں میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ایک سال دارالعلوم دیوبند میں بہ طور مدرس کام کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عربیہ ڈریالہ جالپ (تحصیل پنڈ دادن خاں، ضلع جہلم) میں مدرس رہے۔ چار سال مدرسہ عربیہ دارالرشاد (پیر جھنڈا، سندھ) میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۴ء تک اورینٹل کالج، لاہور میں ملازمت کی۔

وہ عربی زبان وادب، علوم دینیہ اسلامیہ اور تاریخ اسلام پر گہری نظر رکھتے تھے شیخ الہند مولانا محمود حسن کی شاگردی اور مدرسہ دارالارشاد کی تدریس کے دوران میں مولانا عبید اللہ سندھی کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے مواقع ملے۔ وہ شاہ ولی اللہ کے افکار ونظریات کے اہم شارح شمار کیے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کا رسالہ "ہمعات۔ تصحیح وتحشیہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ ان کی تصانیف میں عذب المناہل شرح الکامل للمبرد، منشور حکم خلاصہ دبیر عجم، تفسیر سورہ علق، تفسیر سورہ المزمل تفسیر سورہ المدثر وغیرہ شامل ہیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی مصنفہ متعدد کتب غیر مکمل ہیں۔

مولانا نور الحق علوی نے یکم جمادی الآخر ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۰۔ مارچ ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔ علامہ اقبال نے شاہ ولی اللہ کے عقائد اور نظریات کی وضاحت اور بعض عربی کتب کے مطالعے میں ان سے استفادہ کیا تھا۔

مکتوب نمبر ۳۶ و دیگر

علامہ مشرقی (۱۸۸۸ء ۔ ۱۹۶۳ء)

عنایت اللہ خاں کے نام اور علامہ مشرقی کے عرف سے معروف ہیں ۔ ان کا تعلق ایک پٹھان خاندان سے تھا ۔ ان کے والد عطا محمد خاں امرتسر میں عرائض نویس تھے ۔ علامہ ۲۵ ۔ اگست ۱۸۸۸ء کو لاہور سے ۵ میل دور واقع گاؤں لہرا میں پیدا ہوئے ۔ طالب علمی کے زمانے میں اپنی ذہانت اور قابلیت کا اس طرح سکہ جمایا کہ ہر امتحان اعزاز سے پاس کیا ۔ جامعہ پنجاب سے ایم ۔ اے کرنے کے بعد کرائسٹ کالج کیمبرج میں تعلیم حاصل کی ۔ وہ "انٹر نیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹز" کے رکن ، اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل (۱۹۱۳ء) اور پرنسپل (۱۹۱۵ء) رہے ۔ انڈین سول سروس میں داخل ہوئے ، لیکن ۱۹۳۲ء میں اس سے مستعفی ہو گئے ۔

وہ پان اسلامزم کے زبردست حامی تھے ۔ ۱۹۳۱ء میں خاکسار تحریک کی بنیاد ڈالی ۔ وہ عدم تشدد کے قائل نہیں تھے ۔ ان کی خاکسار تنظیم فوجی نوعیت کی تھی ۔ کئی بار برطانوی حکومت نے گرفتار کیا ۔ ۱۹۴۰ء میں خاکسار تنظیم کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا ۔ قیام پاکستان کے بعد اسلام لیگ قائم کی (۱۹۴۸ء) ۔ ۲۷ ۔ اگست ۱۹۶۳ء کو لاہور میں رحلت* فرمائی ۔ ان کی کتاب "تذکرہ" بہت معروف ہے ۔

سید قاسم محمود کی "اسلامی انسائیکلوپیڈیا" کے مطابق وہ امرتسر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۴ء میں انتقال کیا اور ادارہ علیہ اچھرہ (لاہور) میں دفن ہوئے ۔

مکتوب نمبر ۴۰

چودھری غلام رسول مہر (۱۸۹۵ء ۔ ۱۹۷۱ء)

اردو کے نامور صحافی ، ادیب اور محقق جو اب چودھری کے بجائے "مولانا" کے لاحقے کے ساتھ زیادہ معروف ہیں ، ۱۵ ۔ اپریل ۱۸۹۵ء کو پھول پور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد کا نام چودھری محمد علی خاں تھا ۔ وہ صرف پانچ سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا ۔

مہر مرحوم کی تعلیم و تربیت والدہ اور ماموں کی نگرانی میں ہوئی ۔ پرائمری کی

حد تک تعلیم گاؤں میں ہوئی۔ میٹرک مشن ہائی اسکول جالندھر سے کرنے کے بعد لاہور آ گئے، جہاں انھوں نے ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج سے انٹر اور ۱۹۱۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔

تعلیم کے بعد ان کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ عرصہ مولانا ابوالکلام آزاد کے مدرسہ دارالارشاد و کلکتہ میں گزاریں گے اور پھر صحافت کے ذریعے ملک و قوم اور ملت کی خدمت کا فریضہ انجام دیں گے۔ لیکن وہ ابھی کلکتہ کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مولانا آزاد کو کلکتہ سے خارج البلد کر دیا گیا۔ مولانا رانچی (بہار) چلے گئے، جہاں چند ماہ کے بعد انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ مولانا کے کلکتہ چھوڑنے کی وجہ سے مدرسہ دارالارشاد بند ہو گیا اور مہر مرحوم کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔

چوں کہ جنگ عظیم (اول) چھڑ چکی تھی، مولانا آزاد نظر بند کیے جا چکے تھے۔ مستقبل قریب میں ان کی رہائی کی کوئی امید نہ تھی، اور آزادانہ طور پر ملک و قوم کی خدمت کا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا۔ مہر مرحوم حیدر آباد چلے گئے اور پایہ گاہ وقار الامرا کے محکمہ تعلیم میں انسپکٹر آف اسکولز کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی اور تقریباً چھ سال تک یہ خدمات انجام دیتے رہے۔

جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد جب اسیروں کو رہائی ملی، اخبارات پر سے پابندی اٹھائی گئی اور آزادانہ ملک و قوم کی خدمت کے مواقع نظر آئے تو مہر صاحب مرحوم نے حیدر آباد کی ملازمت ترک کر دی اور پنجاب واپس آئے۔ حیدر آباد کی ملازمت ترک کرنے کا کچھ اور سبب بھی تھا۔ مہر صاحب نے مناسب سمجھا کہ پہلے روز سے اپنا اخبار نکالنے کے بجائے کچھ عرصہ وہ کسی اخبار میں کام کر کے فن صحافت کے رموز و نکات کو سمجھ لیں۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء کے اواخر میں وہ مولانا ظفر علی خاں کے روزنامہ زمیندار لاہور سے وابستہ ہو گئے اور پانچ سال سے زیادہ عرصہ وہ اس سے وابستہ رہے۔

۱۹۲۷ء کے آغاز میں انھوں نے انقلاب کے نام سے اپنا روزانہ اخبار جاری کیا اور تقریباً بائیس سال تک انقلاب کے لیے ملک و قوم اور ملت کی بہترین خدمات سر انجام دیں۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء میں حالات کی ناموافقت کی بنا پر انقلاب بند کرنا پڑا۔

اس کے بعد وہ ہمہ تن تصنیف وتالیف اور ترجمے کے کاموں میں مصروف ہو گئے ۔ انھوں نے تصنیف وتالیف ، ترتیب وتدوین ، شرح نگاری اور ترجمے کے بہت کام کیے ، جن میں تاریخ ، سیرت ، سوانح ، سیاست ، مذہب ، ادب ، شاعری ، تنقید وغیرہ ہر فن کی کتابیں ہیں ۔ جن کی تعداد ۳۰ تک معلوم ہو چکی ہے ۔ زمیندار ، انقلاب اور دوسرے اخبارات میں پھیلے ہوئے مقالات ان کے علاوہ ہیں ، جنھیں اگر کتابوں میں مرتب کیا جائے تو پچاسوں جلدیں تیار ہو جائیں ۔

مولانا مہر مرحوم کو شاعری کا شوق بھی تھا ۔ انھوں نے اردو اور فارسی میں بہت سا کلام یادگار چھوڑا ہے ۔ لیکن صحافت کی مصروفیت اور تصنیف وتالیف اور تحقیق وترجمہ کے شب وروز کے انہماک کی وجہ سے وہ شاعری پر پوری توجہ نہ دے سکے اس لیے بہت تھوڑا کلام ان کا یادگار ہے ۔

ان کے دوستوں کا دائرہ بہت وسیع تھا ۔ سیکڑوں اہل علم اور اصحاب قلم سے ان کی مراسلت تھی ۔ علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت عقیدت رکھتے تھے ۔ دونوں بزرگوں پر مرحوم کے قلم سے بہت یادگار مقالات نکلے ہیں اور تالیف وترتیب کے بعض کام بھی انجام پائے ۔ ان کا شاعرانہ ذوق بہت بلند تھا ۔ عرفی ، نظیری اور غالب کو بہت پسند کرتے تھے اور بلا مبالغہ ان کے ہزاروں شعر انھیں یاد تھے ، جو اپنی تحریروں میں انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑتے چلے جاتے تھے ۔

مولانا مہر مرحوم نہایت بااخلاق ، ملنسار ، وضع دار ، پابند صوم وصلات شخص تھے ۔ اور اس عہد کی ایک نادر روزگار ہستی تھے ۔ بالاخر اردو کا یہ نامور ادیب ، بلند پایہ انشا پرداز ، عظیم صحافی ، مورخ اور نقاد ۱۶ ۔ نومبر ۱۹۷۱ء کو لاہور میں اپنی زندگی مستعار کی مہلت پوری کر کے راہی ملک عدم ہوا ۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

مکتوب نمبر ۴۳

ذوالفقار علی خاں (۱۸۷۳ء - ۱۹۳۳ء)

ذوالفقار علی خاں کے والد نواب غلام احمد خاں ریاست مالیر کوٹلہ میں جاگیر دار تھے اور انھیں مجسٹریٹ کے اختیارات بھی حاصل تھے ۔ ذوالفقار علی خاں کی کم

عمری میں والد کا انتقال ہو گیا۔ ذوالفقار علی خاں نے چیفس کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۶ء میں اعلا تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ ۱۹۰۰ء میں وطن واپس آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ علامہ اقبال نے ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپسی کے بعد لاہور میں وکالت شروع کی۔ اس زمانے میں ان دونوں کے درمیان روابط قائم ہوئے۔

ذوالفقار علی خاں ۱۹۰۹ء میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن بنے۔ ۱۹۱۰ء میں ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اور تین سال کی مدت تک اس منصب پر فائز رہے۔ انجمن حمایت اسلام کے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کے کئی سالانہ اجلاسوں کی صدارت کی جن میں علامہ اقبال نے اپنی نظمیں پڑھیں انجمن کے سیکریٹری مولوی شمس الدین کی مالی اعانت کے لیے جو عرضی نظام سابع کو روانہ کی گئی تھی۔ اس کے عرضی گذاروں میں ذوالفقار علی خاں، علامہ اقبال اور میاں فضل حسین شامل تھے۔ اس عرضی میں علامہ کا نظام کی مدح میں قطعہ بھی شامل ہے۔

انھوں نے علامہ اقبال کی شاعری پر انگریزی میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام Voice from the East ہے۔

علامہ نے ان کی موٹر کی تعریف میں ایک نظم لکھی تھی جس کا پہلا شعر ہے:

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی
موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

انھیں ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن کی سنٹرل کمیٹی میں شامل کیا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے مجلس اقوام میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ آخری عمر میں ان کے اور علامہ کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ ان کا انتقال ۲۶۔ مئی ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی علامہ تجہیز و تکفین میں شرکت کے لیے مالیر کوٹلہ گئے۔ لیکن ان کی تدفین میں شریک نہ ہو سکے۔ رقت قلب کے ساتھ ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کی۔

مکتوب نمبر ۴۳

شیخ عبدالقادر (۱۸۷۴ء - ۱۹۵۰ء)

شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں لودھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ فتح الدین تھے۔ فور مین کرسچین کالج، لاہور سے ۱۸۹۴ء میں بی۔ اے کیا۔ لنکن ان سے ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کی تعلیم مکمل کی۔ شیخ محمد عمر بار ایٹ لا کی صاحبزادی سے شادی کی۔ عملی زندگی کا آغاز ایک صحافی کی حیثیت سے کیا۔ ہفتہ وار انگریزی اخبار "دی آبزرور لاہور (۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۴ء) کے ایڈیٹر رہے۔ ماہوار رسالہ "مخزن" ۱۹۰۱ء میں جاری کیا وہ صحافی بھی تھے، ادیب بھی اور وکیل بھی۔ ۱۹۲۳ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن بنے۔ بعدہ اس کے نائب صدر (۱۹۲۴) اور پھر صدر (۱۹۲۵ء) ہوئے۔ پنجاب کے وزیر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۶ء کے مسلم لیگ اجلاس کی صدارت فرمائی۔ انجمن حمایت اسلام کے صدر رہے۔ ان کی ادبی، سیاسی اور فلاحی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ۹۔ فروری ۱۹۵۰ء کو رحلت فرمائی۔

سر شیخ عبدالقادر کے جن مسلم مشاہیر سے ذاتی اور قریبی تعلقات رہے ان میں علامہ اقبال اور مولانا سید سلیمان ندوی بھی شامل تھے۔ مخزن کے ذریعے وہ باہم روشناس ہوئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا پہلا مضمون "وقت" مخزن میں شائع ہوا تھا۔ مولانا ان کے اوصاف کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"مرحوم کی شخصیت گوناگوں اوصاف کی حامل تھی۔ ہر مجلس و محفل میں ان کی یکساں قدر و منزلت تھی۔ وہ نیک طینت، نرم مزاج، متواضع اور ملنسار تھے۔ ان کی مختلف النوع خدمات میں میرے نزدیک سب سے بڑی خدمت ان کی ادبی خدمت ہے، وہ بھی خاص نوع کی۔ لکھنے والے تو بیسیوں ہیں مگر ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بیسیوں کو ادیب، انشا پرداز، اہل قلم، مصنف اور شاعر بنا دیا اور حق یہ ہے کہ انھیں نے ہندوستان کو "اقبال" بخشا۔"

۔ ؎ معارف، مئی ۱۹۵۰ء)

مکتوب نمبر ۴۳

سر محمد شفیع (۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۲ء)

پنجاب کے مسلمانوں کے سربرآوردہ لیڈر تھے۔ ۱۰ - مارچ ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۰ء میں لندن میں انجمن اسلامیہ قائم کی۔ ہوشیار پور اور لاہور میں وکالت کی۔ قیام مسلم لیگ سے قبل لندن آبزرور میں ایک مضمون شائع کیا جس میں مسلمانوں کی سیاسی جماعت کے قیام کی تجویز پیش کرتے ہوئے اس کے لیے "مسلم لیگ" کا نام تجویز کیا تھا۔ ۱۹۰۶ء کے شملہ ڈیپوٹیشن میں شریک تھے۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل اور امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن ہوئے (۱۹۰۹ء - ۱۹۱۹ء)۔ آل انڈیا اردو کانفرنس (۱۹۱۱ء) کے صدر بنے۔ ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کے صدر ہوئے۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (۱۹۱۶ء) کی صدارت کی۔ وائسرائے کی کونسل کے رکن (۱۹۱۹ء - ۱۹۲۴ء) بنائے گئے۔ اس کے نائب صدر کے فرائض (۱۹۲۳ء - ۱۹۲۴ء) انجام دیے۔ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی بنائے گئے تھے اور کئی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے رکن رہے تھے۔ پنجاب کی سیاست کے علاوہ فلاحی کاموں میں بھی ان کا عمل دخل رہا۔ علامہ اقبال کے قریبی ملنے والوں میں تھے۔

۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو انتقال ہوا۔

مکتوب نمبر ۴۴ و دیگر

شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء - ۱۷۶۲ء)

ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الحنفی النقشبندی المحدث دہلوی ۴ - شوال ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۳ء) کو پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ صوفیائے باصفا کا خرقہ اور فراغ علمی کی سند اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ علوم اسلامی میں کامل دستگاہ پیدا کی اور اپنی بلند فکر کے مطابق ان کی تعبیر و تشریح کی۔ برصغیر کے مسلمان مفکرین میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ ۲۹ - محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ - اگست

۱۷۶۲ء کو دہلی میں انتقال فرمایا۔

ان کے صاحبزادوں میں شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی تھے اور سب اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ جنھوں نے شاہ صاحب کے علم و فکر کو آگے بڑھایا۔ شاہ ولی اللہ کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں۔ فتح الرحمان (ترجمہ قرآن، فارسی) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، المسوی (شرح الموطاء، عربی المصفی (شرح الموطاء، فارسی) القول الجمیل، فیوض الحرمین، انفاس العارفین، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔ ہمعات، الطاف القدس، مقالہ مرضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، لمعات، سطعات، القدمہ المنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ، شفاء القلوب، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، البدور البازغہ، زہراوین، الخیر الکثیر، الانتباہ، الدر الثمین، حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، التفہیمات، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف، وصیت نامہ، رسالہ دانشمندی، الفتح الخبیر، السرور المحزون، مکتوب المعارف، الاعتقاد الصحیح اور متعدد۔

مکتوب نمبر ۴۷

ملا محمود جون پوری (ف: ۱۰۶۲ھ)

ملا محمود جونپوری علوم حکمیہ و ادبیہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ابتدا میں اپنے دادا شاہ محمد سے تحصیل علم کی۔ بعد ازاں مولانا محمد افضل جون پوری کی خدمت میں ۱۷ برس تکمیل درس میں صرف کیے۔ باقی عمر درس و تدریس علوم میں مشغول رہے۔ ۹۔ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ (م ۱۶۵۲ء) کو انتقال ہوا۔ ان کی مشہور تصانیف شمس بازغہ (حکمت) فرائد فی شرح الفوائد مع حاشیہ (علم معانی و بیان)۔ ہیں۔

مکتوب نمبر ۴۸ و دیگر

مولوی نور الاسلام

مولوی نور الاسلام کے والد مولوی سلام اللہ محدث تھے۔ جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتوں میں تھے۔ مولوی نور الاسلام نے کتب متداولہ اور طب کی تعلیم اپنے چچا حکیم اسد علی خاں تلمیذ حکیم میر محمد ہاشم سے حاصل کی۔ ریاضی میں

خاص مہارت رکھتے تھے۔ نواب سید احمد علی خاں کے عہد میں دہلی سے رام پور گئے اور سو روپیہ ماہانہ پر ملازم ہوئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ معقولات میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ریاضی میں "رسالہ اسطرلاب"۔ (فارسی) ۲۸ صفحات، تاریخ تکمیل ۲۷۔ ربیع الثانی ۱۲۲۸ھ اور "رسالہ فی تحقیق مہیتہ مکان"۔ (عربی) ۲۴ صفحات، تاریخ تکمیل ۲۹۔ ربیع الثانی ۱۲۴۷ھ غیر مطبوعہ ہیں، جو ریاست رام پور کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

ان کے دوسرے رسالے کا ذکر حضرت علامہ کے دو مکتوبات میں آیا ہے اس رسالے کا سال تکمیل ۱۲۴۷ھ مطابق ۳۲-۱۸۳۱ء ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس کے بعد تک زندہ رہے۔

مکتوب نمبر ۴۹ و دیگر

سر راس مسعود (۱۸۸۹ء-۱۹۳۷ء)

راس مسعود ڈاکٹر سید محمود کے بیٹے اور سر سید احمد خاں کے پوتے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ وجاہت ظاہری، اعلا دماغی اور سیرت کی خوبیاں انھیں باپ دادا سے ورثے میں ملی تھیں۔ ابتدائی تعلیم سر سید کی نگرانی میں ہوئی اور اسکول کی تعلیم تھیوڈور ماریسن کی نگرانی میں۔ دسویں جماعت میں کامیابی کے بعد وہ انگلستان چلے گئے وہاں نیو کالج آکسفورڈ میں داخلہ لیا۔ ایک ذہین طالب علم، بہترین اسپورٹس مین، خوش دل اور خوش طبع نوجوان کی حیثیت سے استادوں اور ساتھیوں میں مقبول رہے۔ ۱۹۰۹ء میں گریجویٹ ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ لنکن ان۔ لندن سے بیرسٹری کی سند (۱۹۱۲ء) حاصل کرکے وطن واپس آئے۔

راس مسعود نے اپنے دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شعبہ تعلیم کا انتخاب کیا۔ پہلے گورنمنٹ ہائی اسکول پٹنہ کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ چند سال بعد ریونشا کالج کٹک میں تاریخ کے پروفیسر بنے۔ جب ریاست حیدرآباد کو تعلیم کے فروغ کے لیے ایک ماہر کی ضرورت درپیش ہوئی تو حکومت ہند سے رہنمائی طلب کی انھوں نے راس

مسعود کی سفارش کی اور وہ ریاست کے ناظم تعلیمات بنا دیے گئے۔ اگرچہ ان کا عہدہ بڑا نہیں تھا اس کے باوجود ان کی قابلیت اور کارکردگی سے ارباب اقتدار اتنے متاثر تھے کہ ان کی ہر تجویز مان لی جاتی۔ ان کی کوششوں سے تعلیم کا قابل رشک فروغ ہوا ۱۹۱۶ء اور ۱۹۲۸ء کے درمیانی عرصے میں اسکولوں کی تعداد ۱۲۵۴ سے بڑھ کر ۴۱۸۸ اور طالب علموں کی تعداد ۹۳،۲۸۹ سے بڑھ کر ۲،۸۱،۸۲۱ ہو گئی تھی۔ اردو ذریعہ تعلیم کی جامعہ کے قیام میں مولوی عبدالحق اور سر اکبر حیدری کے ساتھ ان کی مساعی بھی شامل رہیں۔ اگست ۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ہوا تو وہ نظامت تعلیمات کے ساتھ ساتھ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل بھی مقرر ہوئے۔ ان کی محنت اور کوششوں سے جو ترقی ہوئی اس کی بنا پر ان کو مسعود جنگ کا خطاب بھی ملا۔ ۱۹۲۲ء میں ریاست کی جانب سے انھیں جاپان کے نظام تعلیم کے مشاہدہ و مطالعہ کے لیے بھیجا گیا۔ واپس آکر انھوں نے ایک مکمل رپورٹ پیش کی جو Japan and its educational system کے عنوان سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۷ء میں انھوں نے بوجہ علالت وظیفہ پر سبکدوشی کی درخواست کی جو ذریعہ فرمان مجاریہ یکم جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ (۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء) منظور ہوئی اور ایک ہزار روپے کلدار ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا۔

اکتوبر ۱۹۲۹ء میں وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں ریاست بھوپال کے وزیر تعلیمات و امور عامہ بنائے گئے۔ ان کے قیام بھوپال کے زمانے میں وہاں علم و تعلیم کا فروغ ہوا۔ علامہ اقبال اور مولانا سید سلیمان ندوی کو انھوں نے بھوپال بلایا۔ علامہ کے کلام کا خاصا حصہ ان کے قیام بھوپال کے زمانے کا کہا ہوا ہے۔ وہ علامہ اقبال اور مولانا سید سلیمان ندوی کے ہمراہ کابل بھی گئے تھے تاکہ وہاں کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کے بارے میں افغان حکومت کو مشورے دیں۔ وہ علامہ کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔

راس مسعود کا انتقال ۳۱۔ جولائی ۱۹۳۷ء کو ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے تعزیتی مضمون میں ان کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"مرحوم بڑے وجیہہ، کشیدہ قامت، سرخ و سفید، ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔

جس مجلس میں ہوتے سب پر چھا جاتے۔ باتوں کے دھنی اور زبان کے میٹھے تھے۔ ہر شخص سے جھک کر ملتے تھے۔ مرحوم کی مجلسی خوبیاں بھولنے کے قابل نہیں، ان کی وفات سے ایک بڑے خاندان کی یادگار مٹ گئی۔۔ (رسالہ معارف، اگست ۱۹۳۷ء)

مکتوب نمبر ۵۱

مولوی مظہر الدین شیر کوٹی (ف: ۱۹۳۸ء)

مولانا کا وطن شیرکوٹ ضلع بجنور تھا۔ ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ کچھ دنوں وہیں مدرس بھی رہے۔ اخبار "مدینہ" بجنور کے ایڈیٹر رہے۔ بعد ازاں دہلی سے سہ روزہ "الامان" اور پھر روزنامہ "وحدت" جاری کیا۔ تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ بعد میں مسلم لیگ کے حامی ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں رولٹ کمیٹی رپورٹ میں اطلاع درج ہے:

"اس نے کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے تحت دارالارشاد میں بحیثیت استاد اور "البلاغ" میں بحیثیت ایڈیٹر ملازمت کی تھی۔ وہ مولانا محمود حسن کا مرید ہے اور دیوبند کے خفیہ اجلاسوں میں شریک ہوتا تھا۔"

۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں دفتر الامان دہلی میں بیٹھے تھے کہ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ جان بحق ہو گئے۔

مکتوب نمبر ۶۴

شاہ محمد عاشق پھلتی (ف: ۱۱۸۷ھ)

علامہ اقبال نے "شاہ عاشق حسین" نام لکھا تھا۔ صحیح نام عنوان میں درج ہے۔

شاہ محمد عاشق پھلتی بن عبیداللہ بن محمد صدیق پھلتی کا نسب اکیس واسطوں سے محمد بن ابی بکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد کا رجحان مذہب اور حصول علم کی جانب رہا۔ شاہ محمد عاشق کو بھی علم کا شوق بچپن سے تھا۔ شیخ اجل حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی صحبت اختیار کی۔ جو ان کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں حج کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ بعض اساتذہ حرمین سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اصحاب میں وہ علم و معرفت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے ۔ خود شاہ صاحب نے ان کی توصیف میں اشعار کہے ہیں ۔ شرح دعاے اعتصام کی تقریظ میں جو عربی اشعار میں ہے جو اس کا مفہوم ہے کہ ۔

• علم و تحقیق اور فکر و نظر کی بلندیوں پر فائز ہونا مبارک ہو اور علوم کی حفاظت اور علم و عمل کے ہیرے موتیوں کی تنظیم بھی مبارک ہو ۔ نیز رمز مخفی کی حفاظت اور علم و عمل کے بحر ذخار کی غواصی اور شناوری تمھیں یہ سب مرادیں اللہ ہی کی طرف سے ملی ہیں اور مفاخر کا سرمایہ بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے ۔ ۔

شاہ محمد عاشق سے شاہ عبدالعزیز، ان کے بھائی شاہ رفیع الدین نے اور سید ابو سعید نے بھی استفادہ کیا تھا ۔ ان کی تصانیف میں سبیل الرشاد (فارسی، تصوف) القول الجلی فی مناقب الولی (در حالات شاہ ولی اللہ) شرح دعاے اعتصام (حقائق و معارف) تبییض المصفی، شرح الموطا ہیں ۔ ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا ۔

مکتوب نمبر ۶۴

نواب صدر یار جنگ (۱۸۶۷ء ۔ ۱۹۵۰ء)

حبیب الرحمن نام اور صدر یار جنگ خطاب تھا ۔ جو انھیں ریاست حیدر آباد کی جانب سے دیا گیا تھا ۔ پٹھانوں کے شروانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ علی گڑھ کے رؤسا میں شامل تھے ۔

۵ ۔ جنوری ۱۸۶۷ء کو بھیکم پور میں جہاں ان کی جاگیر تھی، پیدا ہوئے ۔ ملک کے نامور اساتذہ سے اپنی ریاست میں تعلیم حاصل کی ۔ عربی و فارسی کے عالم تھے ۔ انگریزی سے واقف تھے ۔ ذاتی مطالعے اور شوق سے مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی اور ان کے علم و فضل کی شہرت نے ان پر کامیابی و کامرانی کے دروازے کھول دیے ۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں شعبہ دینیات کے صدر بنائے گئے ۔ ۱۹۱۸ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور امور مذہبی کے صدر الصدور مقرر ہوئے ۔ ۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے شیخ الجامعہ کا اعزاز انھیں حاصل ہوا ۔ ان کے علمی مقام اور حسن خدمات کے اعتراف

میں ریاست نے انھیں "صدر یار جنگ" کے خطاب سے نوازا۔

نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی ایک بلند پایہ علمی و تہذیبی شخصیت تھے۔ اگرچہ ایک جاگیردار کے لیے سیاست سے قطعاً بے تعلق ہونا ممکن نہ تھا۔ لیکن وہ ملک کی سیاست میں کبھی سرگرم نہیں رہے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالمصنفین اور ملک کے دیگر تعلیمی اور علمی اداروں سے ان کا بہت قریبی تعلق رہا اور ان کے علم اور مال دونوں سے انھیں فائدہ پہنچتا رہا۔

نواب مرحوم اردو اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ حسرت تخلص تھا۔ کاروان حسرت (اردو) اور بوستان حسرت (فارسی) ان کے کلام کے مجموعوں کے علاوہ متعدد عمدہ تالیفات اور مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

۱۱۔ اگست ۱۹۵۰ء کو علی گڑھ میں نواب صاحب نے انتقال فرمایا۔

مکتوب نمبر ۶۵

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵ء۔ ۱۹۰۸ء)

غلام احمد کے اجداد کا تعلق مغل قوم سے تھا۔ ان کے بزرگوں میں مرزا ہادی بیگ، عہد بابر میں سمرقند سے ہندوستان آئے۔ انھیں جاگیر عطا ہوئی۔ جس کا نام اسلام پور قادی رکھا گیا جو بعد میں قادیان کہلایا۔ ان کے والد غلام مرتضی (وفات: ۱۸۷۶ء) انگریزوں کے انتہائی وفادار تھے۔ ان کی ماں کا نام چراغ بی بی (وفات: ۱۸۶۱ء) تھا۔ انھوں نے مولوی فضل الٰہی سے قرآن اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں مولوی فضل احمد اور مولوی گل علی شاہ سے مذہبی تعلیم پائی۔ اپنی ماموں زاد بہن حرمت بی بی سے ۱۸۸۴ء میں شادی کی۔ دوسری شادی میر ناصر نواب کی بیٹی سے کی۔ انھی کے بطن سے مرزا بشیر الدین محمود پیدا ہوئے۔ غلام احمد سیالکوٹ کی ماتحت عدالت میں محرر (۱۸۶۴ء۔ ۱۸۶۸ء) رہے۔ مختار کاری کا امتحان دیا اور ناکام رہے۔ سیالکوٹ میں ہی انگریز مشنریوں سے مناظرے کیے۔ ۱۸۸۰ء میں ان کی زندگی کی کایا پلٹ ہوئی۔ "براہین احمدیہ" لکھ کر اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کیا۔ ۱۸۸۲ء میں اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۹۰-۹۱ء کے دوران میں مزید کتب شائع کیں اور اپنے

مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا۔ بعد میں کرشن جی کے اوتار ہونے کا دعوا بھی کیا۔ ان کی تعلیمات کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جہاد کے معنی روحانی جدوجہد کے ہیں۔ ۱۸۹۰ء میں احمدیہ جماعت بنا ڈالی۔ ہفتہ وار الحکم (۱۸۹۷ء) اور رسالہ بدر (۱۹۰۲ء) اردو میں اور ریویو آف ریلیجنس (۱۹۰۲ء) اردو اور انگریزی میں شائع کرتے رہے۔ ان کے مراق اور انگریزوں کے ذوق وفاداری نے ان سے نبوت کا دعوا بھی کروایا۔ حتی کہ نبی آخرالزماں وصاحب مقام ختم نبوت علیہ الصلوہ والتسلیمات پر فضیلت کے مدعی بنے (نعوذ باللہ من ذلک) جہاد کو بزعم خویش منسوخ کیا۔ انگریزوں سے وفاداری کو اپنی جماعت کا اصول قرار دیا اور قیام پاکستان کے بعد بلوچستان کو آزاد قادیانی ریاست بنانے کے خواب دیکھے گئے۔ غلام احمد قادیانی مسلمانوں میں ایک عظیم فتنے کے بانی ہوئے۔ ان کے عقائد باطل اور ان کے دعوے جھوٹے تھے۔ ان کی پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ انھوں نے مباہلوں اور مناظروں کے چیلنج دیے لیکن ہمیشہ فرار اختیار کیا۔

احرار اسلام (ہند)، جمعیت علمائے ہند، علمائے دیوبند وغیرہم نے ان کے فرقے کو غیر مسلم قرار دینے کی تحریک چلائی۔ علامہ اقبال کے بعض بیانات سے اس تحریک کو تقویت ملی۔ انگریزوں نے اس مطالبے کو تسلیم نہ کیا۔ تحریک جاری رہی۔ بالآخر ۱۹۷۳ء میں اس دیرینہ مطالبے کو تسلیم کرکے انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

مکتوب نمبر ۷۰

نواب حمید اللہ خاں (۱۸۹۴ء۔ ۱۹۶۰ء)

نواب حمید اللہ خاں، بھوپال کی والیہ سلطان جہاں بیگم کے تیسرے فرزند تھے۔ ۹۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔

۱۹۰۵ء میں سلطان شاہ بانو بیگم سے شادی ہوئی۔ ۱۷۔ مئی ۱۹۲۶ء کو والدہ کے انتقال کے بعد بھوپال کے حکمراں بنے۔ ایم۔ اے۔ او کالج کے ٹرسٹی بھی

رہے اور ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر کے عہدے پر بھی فائز ہوئے ۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک چیمبر آف پرنسس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے رکن رہے ۔ بعد میں اس کے چانسلر بھی ہوئے ۔ پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد بھارت سے ریاست کا الحاق کیا ۔ ۲۹ ۔ اپریل ۱۹۴۸ء کو ریاست میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا اعلان کیا ۔ ریاست بعد میں مدھیہ پردیش میں شامل کرلی گئی ۔

وہ مسلمان حکمرانوں میں نہایت بیدار مغز اور معاملہ فہم سمجھے جاتے تھے ۔ ریاست کی ترقی اور رعایا کی فلاح کا بے حد خیال رکھتے تھے ۔ تعلیم کے فروغ کے لیے سر راس، مسعود کو اس وقت وزیر تعلیم بنایا جب وہ مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری سے سبکدوش ہوئے ۔ علامہ اقبال کے قدر دانوں میں تھے اور انھیں ریاست کا مہمان بنانے میں فخر محسوس کرتے تھے ۔

مطبوعات مولانا آزاد صدی

(۱۸۸۸ء تا ۱۹۸۸ء)

۱	مولانا ابوالکلام آزاد (شخصی مطالعہ)	از ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی
۲	امام الہند مولانا آزاد	از مولانا امداد صابری
۳	اردو کا ادیب اعظم	از عبدالماجد دریابادی
۴	خطوط ماجدی۔ از عبدالماجد دریاآبادی	مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۵	ابوالکلام آزاد	مرتبہ عبداللہ بٹ
۶	اسپیچس آف ابوالکلام آزاد (انگریزی)	مرتبہ عبداللہ بٹ
۷	مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت، سیرت اور کارنامے)	از مولانا سعید احمد اکبرآبادی
۸	ابوالکلام و عبدالماجد (ادبی معرکہ)	از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۹	ابوالکلام آزاد (ایک مطالعہ)	مولف: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۱۰	انجمن خدام کعبہ (تاریخ اور مقاصد و خدمات)	از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۱۱	اردو کی ترقی میں مولانا ابوالکلام آزاد کا حصہ	از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۱۲	پیغام کلکتہ (۱۹۲۱ء) آل انڈیا خلافت کمیٹی کا ترجمان	تدوین: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
	نگرانی: مولانا ابوالکلام آزاد	ادارت: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
۱۳	مولانا حسرت موہانی (مجاہد آزادی کامل)	از شفقت رضوی
۱۴	میر کارواں مولانا ابوالکلام آزاد	از ڈاکٹر ریاض الرحمن شروانی
۱۵	مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے معاصرین	مولف: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۱۶	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (ایک سیاسی مطالعہ)	از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۱۷	الادات آزاد۔ از مولانا ابوالکلام آزاد	مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۱۸	تحریک ہجرت۔ از ڈاکٹر معین الدین عقیل وغیرہم	مرتبہ شاہد حسین خاں
۱۹	شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ۔ (حیات و سیرت)	از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۲۰	مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت	از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
۲۱	ایک علمی خاندان (مولانا ابوالکلام آزاد کا خاندان)	از شفقت رضوی
۲۲	ارمغان آزاد	مولف: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
	(مولانا ابوالکلام آزاد کا دیوان اور ابتدائی دور کے مضامین)	
۲۳	مولانا ابوالکلام آزاد (آثار و افکار)	مولف: پروفیسر محمود واجد ہاشمی
۲۴	انڈیا ونس فریڈم (مقدمے اور حواشی کے ساتھ)	تدوین: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

MS
Maktaba-e-Shahid

8/1, Aligarh Colony,
Karachi-75800.

قیمت 60 روپے